یاد رفتگاں
سبط احمد قمر جائسی

موقع ملے تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیئے
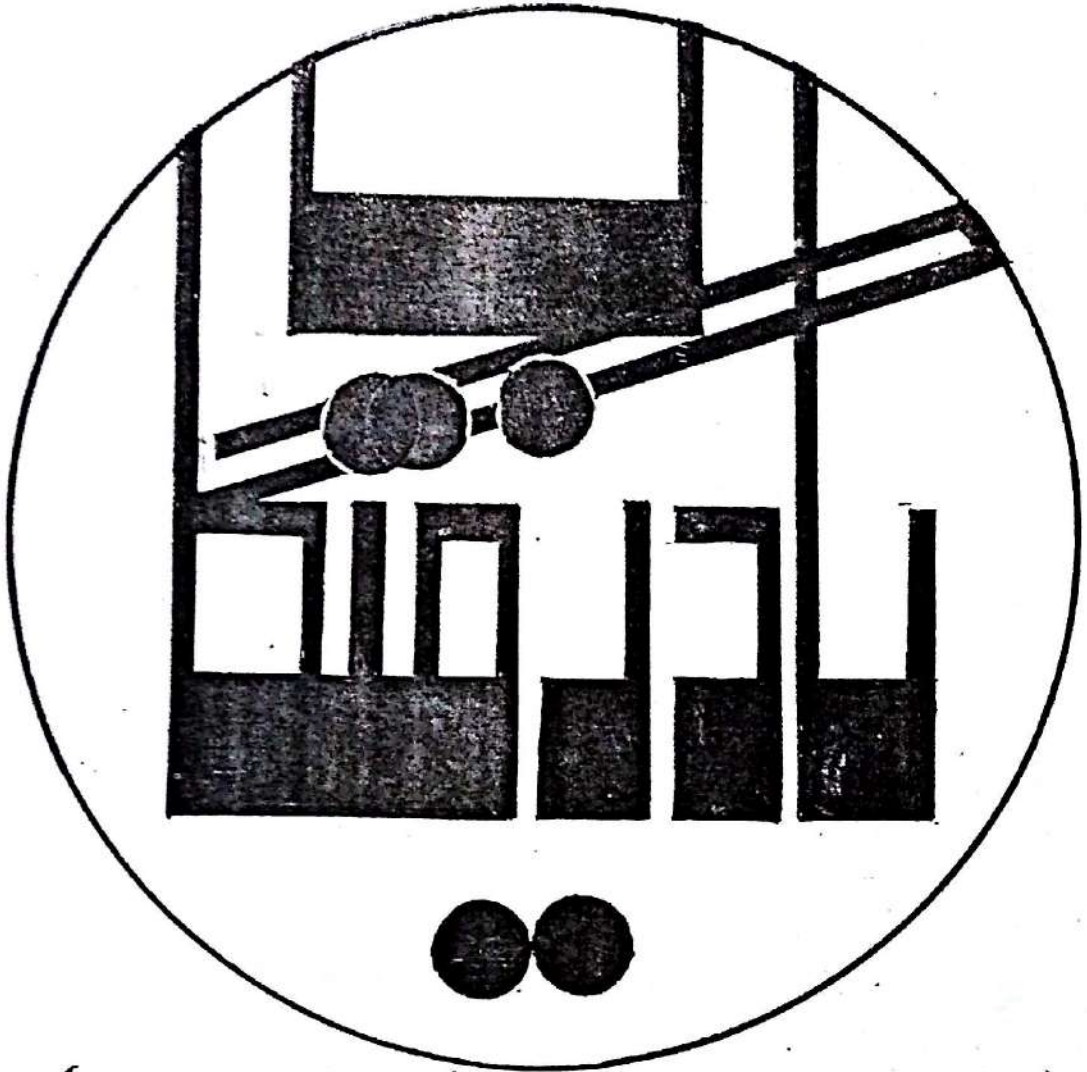
تذکرہ خاندان میر روشن علی حیدری جائس

(جائس میں سادات نقوی سبزواری کا ایک ممتاز و باعزت گھرانہ)

از سبط احمد قمر رضوی

یادِ رفتگاں

مندرجات:—

حرف اوّل

یہ کتاب سیّد روشن علی حیدری (جائسی) کے اخلاف و افراد خاندان کے لئے لکھی گئی ہے جسے مولف نے ان کے اسلاف کے سوانح حیات و حالات زندگی سے متعلق ایک تذکرہ کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ اس تذکرہ میں جو واقعات پیش کئے گئے ہیں ان کی بنیاد بزرگوں کے علم سینہ کے ساتھ ساتھ خاندان کے وہ پرانے اور بوسیدہ دستاویزات ہیں جو استداد زمانہ کے ہاتھوں اب تلف ہو جانے کی حد تک پہونچ گئے ہیں ان کو یکجا کر کے محفوظ کرنے کی یہ پہلی سعی ہے۔ مولف نے غیر جانبدارانہ حد تک اس کی کوشش کی ہے کہ سچّائی اور اصلیت سے تعبید کوئی بات نہ لکھی جائے پھر بھی اس کے مندرجات کے بارے میں اگر کسی فرد خاندان میر روشن علی حیدری کو کوئی شکایت ہو تو مولف اس کے لئے معذرت خواہ ہے۔

سبط احمد قمر جائسی

بابِ اوّل

سادات نقوی (سبزواری) جائس

قصبہ جائس ضلع رائے بریلی اودھ میں پاک نہاد صحیح النسب اور بلند مرتبہ سادات کی ایک مہذب و پرعظمت بستی ہے۔ یہاں کے سادات امام دہم حضرت امام علی نقی علیہ السّلام کی نسل طیبّہ سے ہیں۔ ان کی طہارت نسب بزرگی و نسبی برتری کا تذکرہ کتب انساب و تواریخ میں بالتصریح اور وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ یقیناً یہ ایران کے لئے باعثِ افتخار ہے کہ امام دہم حضرت امام علی نقی ع کی نسل سے تعلق رکھنے کی بنا پر ان کا سلسلۂ نسب دس اشرف کی منزلوں سے گذرا ہے۔ ہندوستان میں سادات عظام کے جن سلسلوں کا تذکرہ نسب ناموں میں ملتا ہے[1] ان میں سید نجم الدین نقوی (سبزواری) کے اس نسبی سلسلہ کا ذکر بھی ہے جو سرزمین جائس میں چھٹی صدی ہجری میں مسکن گزیں ہوا۔ یہاں کے سادات کی طہارت نسب، نجابت اور نسلی پاکیزگی کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ[2]

> "یہاں کے سادات (نقوی) صحیح النسب اور علم و فضل میں
> شہرۂ آفاق ہیں اور وصلت مصاہرت اپنے ہی سلسلۂ نسب یا
> اپنے بنی اعمام کے علاوہ کسی دوسری جگہ کرنا پسند نہیں کرتے"

شاید یہی وجہ ہے کہ انہی سیادت اور پاکیزگی نسب کو بڑی حد تک محفوظ و برقرار رکھ سکے۔

جعفر توّاب الملقب بہ کذّاب

جائس کے سادات نقوی (سبزواری) حضرت امام علی نقی ع کے فرزند اکبر جعفر توّاب کے سلسلۂ نسب میں ہیں۔ جعفر کو تاریخی کتب میں "کذّاب" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے کیونکہ انھوں نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ جعفر[3] کی اولاد کی تعداد مورخین نے ایکسو بیس بتائی ہے لیکن ان کی نسل کا سلسلہ صرف چھ صاحبزادوں سے جاری ہوا یعنی اسمٰعیل، طاہرؔ، یحییٰؔ، ہارونؔ، علیؔ اور ادریسؔ۔ سادات جائس طاہرؔ بن جعفر کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ یہ سلسلہ جعفر توّاب سے ہے جن کو مورخین نے

[1] تذکرۃ السادات — از شیخ احمد بن محمود اکبرآبادی و کنزالانساب — از سید مرتضیٰ علم الہدیٰ۔
[2] آئینۂ اودھ — از شاہ محمد ابوالحسن مانکپوری۔
[3] رسالہ جعفر تواب — امامیہ مشن لکھنؤ۔

امامت کا غلط دعویٰ کرنے کی بنا پر کذّاب کا لقب دیا تھا اس لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے جعفر توّاب کے دعویٰ امامت کے الزام پر ایک محققانہ نظر ڈال کر اس غلط فہمی کو دور کر دیا جائے۔

جہاں تک دعویٰ امامت کا تعلق ہے بے شک جعفر توّاب پر لگایا گیا الزام متعدد امام زادوں کی سابقہ روایات کو دیکھتے ہوئے بعید از قیاس نہیں ہے۔ وہ یقیناً معصوم زادے تھے لیکن معصوم ہرگز نہ تھے۔ اس لئے ان سے غیر معصومانہ لغزش قابل تعجب نہیں۔ وہ اپنے پدر بزرگوار کی جانشینی کے دھوکے میں مبتلا ہو کر اس امر کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ جعفر توّاب کے اس دانستہ "کذب" اور دعویٰ امامت کی بدولت ہی دشمنان دین اصل امام یعنی حضرت حجّت صلوات اللہ علیہ کو قتل نہ کر پائے۔ بالکل ایسا ہی غصّہ منافقین حضرت ابو طالب پر اتارتے ہیں۔ اور انھیں کافر کہہ کر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ بہرحال امام زمانہ کی تحریری توقیع کو دیکھنے کے بعد جسے کلینی نے اسحاق بن یعقوب کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ جعفر کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت حجّت نے لکھا ہے۔[1]

"تم نے سوال کیا ہے کہ ہمارے اہل بیت اور ہمارے چچا زاد بھائیوں کے بارے میں کیا حکم ہے تو تمہیں معلوم ہے جو بھی میرا انکار کرے اس کا خدا سے کوئی رابطہ باقی نہیں اور وہ مجھ سے نہیں۔ اسکا حشر پسر نوح کا حشر ہوگا۔ رہ گئے میرے چچا جعفر اور ان کی اولاد تو ان کا معاملہ برادران یوسف کا ایسا ہے۔"

یعنی حضرت حجّت نے اپنے چچا جعفر اور چچا زاد بھائیوں کو منکرین امامت کی فہرست میں شامل نہیں کیا بلکہ ان کو برادران یوسف سے تعبیر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن حکیم کا برادران یوسف کے بارے میں کیا حکم ہے۔ سورۂ یوسف میں ہے[2]

" ان بھائیوں نے کہا خدا کی قسم آپ کو اللہ نے ہم پر برتر کیا اگرچہ ہم غلطی پر تھے۔ یوسف نے کہا اب آج سے تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہاری خطائیں بخش دے گا۔"

برادران یوسف کے توبہ کر لینے اور اپنی غلطی مان لینے کے بعد اگر اللہ انھیں معاف کر سکتا ہے اور خطائیں بخش سکتا ہے تو جعفر جنھیں امام زمانہ نے برادران یوسف سے تعبیر کیا ہے انھیں بھی تائب ہو جانے کے بعد یقیناً اللہ معاف کر دیگا۔ لہٰذا اگر جعفر پر دعویٰ امامت کے الزام کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اب توقیع مبارکہ کے بعد جعفر اور بنو جعفر کے لئے کوئی وجہ باقی نہیں رہ

---

[1] [2] ۔ رسالہ جعفر تواب — از مولانا سید محمد شاکر — امامیہ مشن لکھنؤ

جاتی جس کی بنا پر ان کو تا قیامت مورد الزام برقرار رکھا جائے ۔

سادات نقوی کی سبزوار (ایران) کو منتقلی

طاہر بن جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد سرمن رائے کی سکونت چھوڑ کر بہ سبب مظالم شاہان عباسیہ سبزوار کو منتقل ہوگئی جہاں پر سادات کی سکونت کا سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا ۔ کتاب "کنزالانساب" کے مطابق اموی حکمراں عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں سب سے پہلے فضل بن زید بن حضرت امام حسنؑ نے اپنے جملہ فرزندوں کے ساتھ سبزوار کو ہجرت کی تھی ۔ فضل کے دو فرزند عبدالموالی اور عبدالمعالی توشہر دامقان ہی میں شہید ہو گئے تھے لیکن ان کے دو فرزند عبدالباقی و عبدالفضل سبزوار پہونچے اور اسے اپنا وطن قرار دیا تھا ۔ اسی طرح حسین الاصغر بن امام زین العابدینؑ کے دو فرزند اسد اور یوسف کی اولاد بھی خلفائے بنی عباس کے مظالم سے تنگ آکر سبزوار کی سکونت اختیار کر چکی تھی ۔
طاہر بن جعفر (تواب) کی نسل میں سب سے پہلے سید ابی طالب حمزہ جو جعفر تواب کی چوتھی پشت میں تھے اور سید نجم الدین نقوی (فاتح جائس) کے اجداد میں تھے انھوں نے عراق کی سکونت ترک کر کے شیراز کو مسکن بنایا لیکن اپنے بنی اعمام کی محبت ان کے پوتے سید علی بن سید ابوعلی کو سبزوار کھینچ لے گئی ۔ سید علی فاتح جائس سید نجم الدین کے پدر بزرگوار تھے ۔ سادات کا سبزوار کو ہجرت کرنے کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت سبزوار کا حاکم یادگار محمد تھا جو بقول ابوالقاسم "فرشتہ" رفض میں اس درجہ غلو رکھتا تھا کہ اگر کسی کا نام اصحاب ثلاثہ کے نام پر پایا تھا تو اسے سخت ایذائیں دیتا تھا ۔ سبزوار میں شیعیت کا جو زور تھا اس کے بارے میں مولانا روم نے اپنی مثنوی میں اس طرح ذکر کیا ہے ۔ [1]

سبزوار است این جہان بے مدار ــ ما چو ابوبکریم در وے خوار و زار
(یہ دنیا سبزوار کے مانند ہے جہاں میں ابوبکر کی طرح ذلیل و خوار ہوں)

سادات سبزوار کی عظمت و بزرگی کے بارے میں معتمد خاں بخشی مصنف اقبال نامہ جہانگیری نے بھی اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے ۔ [2]

سید نجم الدین نقوی (فاتح جائس)

سید نجم الدین نقوی سبزواری سادات جائس کے مورث اعلیٰ ہیں ان کے والد سید علی سبزوار میں رہتے تھے ۔ سید نجم الدین ایک

---

[1] تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) جلد دوم ۔ مطبع نولکشور ۔ لکھنؤ
[2] ۔ اقبال نامہ جہانگیری (اردو ترجمہ) دارالمطبع لمثانیہ حیدرآباد (دکن)

بہترین جنرل اور سلطان شہاب الدین غوری کے یہاں فوجی افسر تھے ۔ غور وہ مقام ہے جہاں خلفائے بنی امیہ کے عہد حکومت میں جب کہ تمام بلاد اسلامی میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب سے تبرا اظاہر کیا جاتا تھا اس وقت "غور" ہی وہ قابل فخر مقام تھا جہاں کے رہنے والے اہل بیت رسالت کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کرتے تھے[۱] اس لئے سید نجم الدین سبزواری کا سلطان شہاب الدین محمد غوری کے لشکر میں فوجی ملازمت کرنے اور اعلیٰ منصب حاصل کرنے کی وجہ اُس وقت کے سیاسی مصالح کے پیش نظر بخوبی اور بہتر طور پر سمجھی جا سکتی ہے ۔ سید نجم الدین محمد غوری کے لشکر میں "مقدمتہ الجیش" (Sappers & Miners) کے کمانڈار تھے ۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ۵۹۱ ہجری میں راجہ جے چندر راٹھور کو قنوج میں شکست دینے کے بعد وہ بنارس کی طرف بڑھا اور جائس کے قریب غوری آباد میں ایک فوجی کیمپ مقرر کرنے کے بعد سید نجم الدین سبزواری کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا ۔ انھوں نے جائس کے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد اپنے بڑے بیٹے سید شرف الدین کو یہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود اپنے دوسرے بیٹے سید نصر اللہ کے ساتھ بداؤں اور سنبھل کی طرف چلے گئے اور وہیں انتقال کیا ۔ سادات جائس نقوی (سبزواری) سید شرف الدین کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ۔ سید شرف الدین نے اس آبادی کو جس کا نام پہلے قلعہ اُدّیا نگر تھا "مقدمتہ الجیش "کے نام پر" جیش" کا نام دیا جو بعد میں بگڑتے بگڑتے جائس ہو گیا ۔ پورے قصبہ کی آبادی کو سید شرف الدین نے آئمہ اثنا عشری کی نسبت سے برعایت بروج فلکی بارہ محلوں پر تقسیم کیا اور غور، کنج، تمب، کرمان، کروستان، سبزوار و اصفہان سے آئے ہوئے سادات و مشائخ کو علیٰحدہ علیٰحدہ ان محلوں میں آباد کیا ۔ محلوں کی تقسیم و تنظیم کم و بیش اب بھی اسی طرح برقرار ہے ۔ جن کے نام اس طور پر ہیں ۔ غوریانہ ، کنجیانہ ، کردانہ ، تمبانہ سیدانہ ، غوری سوار ، خواجگان اور عرب سردار وغیرہ ۔

سید شرف الدین کی اولاد

سید شرف الدین کی اولاد محلہ تمبانہ اور سیدانہ میں تھی انھیں کی اولاد میں چھ پشتوں کے تعلق سے سید ذکریا نے جائس سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع پٹاک پور کو بعہد سلطان ابراہیم شاہ شرقی وہاں کے راجہ رائے پرتاپ کنوریہ کو شکست دیکر چھوٹے سے قلعہ کو فتح کر لیا اپنے جد سید نصیر الدین کے نام پر منسوب کر کے اس قصبہ کا نام نصیر آباد رکھا[۲]

---

[۱] تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) جلد اول صفحہ ۱۱۹

[۲] ۔ سوانح حیات غفران مآب ۔ از سید آغا مہدی و "دوحۂ ہاشمیہ" از سلطان العلما مولانا سید محمد رضوان مآب (قلمی)

اسی طرح جائس اور نصیر آباد کے سادات نقوی (سبزواری) یک جدی ہیں۔ سید زکریا کے بڑے صاحب زادے سید جلال الدین کی آٹھویں پشت میں مجتہدین کے پیشوا، ملت جعفریہ کے رہبر و ہادی، علمائے عرب و عجم کے رکن اعظم مولوی سید دلدار علی غفرانمآب اور سید زکریا کے دوسرے صاحب زادے سید سلیمان کی بارھویں پشت میں سرکار عمدۃ العلما مولانا سید کلب حسین عرف کبن صاحب طاب ثراہ تھے۔ سید زکریا کی نسل میں علم و فضل کے اس جلیل القدر خانوادے کو خاندان اجتہاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سید زکریا کے دونوں صاحب زادوں کو نیابت امام کی عزت عطا ہوئی اور ان کی نسل میں مجتہدین کرام کا ایسا مہتم بالشان سلسلہ قائم ہوا جس کی مثال عراق و ایران میں کبھی نہ ملے گی۔ مختصر یہ کہ مجدد ملت جعفریہ علامہ سید دلدار علی غفران مآب کے پانچ بیٹے اور تیرہ پوتے مسند علم و فضل پر متمکن ہوئے ان کے پوتوں میں سے آٹھ اپنے عہد کے مجتہد اعظم ہوئے۔ اس ذی مرتبت خانوادے میں پچیس موجودہ اہل علم و کمال و مجتہدین عظام رشد و ہدایت تالیف و تصنیف جمعہ و جماعت اور مسند افتا پر اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں [1]

سید شرف الدین کی اولاد احفاد جائس میں محلہ تمبانہ (ہاشمی) اور محلہ سیدانہ یعنی قصبہ کے سبب سے مرکزی اور بلند مقام پر سکونت پذیر ہوئی تھی۔ عہد جلال الدین اکبر بادشاہ میں محلہ سیدانہ میں میر سید پیارے حسینی اور میر سید حسین اور محلہ تمبانہ (ہاشمی) میں سید مٹھا اور سید ادشر ممتاز اور معزز بزرگوں میں تھے۔ اور ان کی نسل ان دونوں محلوں میں پھیلی تھی

سید مٹھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے محلہ تمبانہ (ہاشمی) کے ذی مرتبت بزرگ تھے۔ ان کی اولاد تقریباً آدھے محلہ میں پھیلی ہے۔ ان کی نسل میں پانچ پشتوں کے تعلق سے میر روشن علی حیدری تھے جن کے حالات اور خاندان کے تذکرہ کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ سید مٹھا کا خاندانی قبرستان جائس کے مشرقی حصہ میں یعنی حکیم شہید کے پاس واقع ہے جہاں اس خاندان کے بزرگان مدفون ہیں۔

میر روشن علی حیدری کے بعد ان کے بیٹے میر عنایت علی نے اپنے خاندان کے لئے دوسرا قبرستان تالاب ککرہیا کے متصل بنایا۔ جو آج بھی مقبرہ میر عنایت علی کے نام سے موسوم ہے۔

---

[1] سوانح حیات غفران مآب - از سید آغا مہدی - کراچی

نسب نامہ سادات نقوی

حضرت امام علی نقی ؑ
↓
جعفر تواب

- سید طاہر
  - ↓ سید محمد
  - ↓ سید ابی طالب حمزہ
    - سید نظام الدین حسن (دگرو یزی)
      - ↓ سید باقر
        - سید شمس الدین (دگرویزی) (سادات ملتان وگورٹ گاؤں)
        - سید شہاب الدین (گردیزی) (وارد کڑا مانک پور) (سادات مصطفیٰ آباد)
    - سید ابوالمعالی
      - ↓ سید ابوعلی
      - ↓ سید علی
      - ↓ سید نجم الدین سبزواری (فاتح جائس)
        - سید ابراہیم (وارد دلی)
        - سید شرف الدین
          - سید علی ← سید عالم ← سید جلال الدین ← سید میر علی عرف میاں بھیک ← سید شہاب الدین
            - سید میران
            - سید ماہرو
          - سید علیم الدین ← سید علیم الدین ← سید نصیر الدین ← سید تاج الدین
            - سید ابراہیم ← سید مرتضیٰ
            - سید جعفر ← سید زکریا (فاتح ظفرآباد)
              - سید سلیمان — بارھویں پشت میں عمدۃ العلماء سید کلب حسین
              - سید جعفر
              - سید جلال الدین — آٹھویں پشت میں مولوی سید دلدار علی غفران مآب
            - سید احمد ← سید بڈھے ← سید راجی ← سید مسعود اللہ ← سید مصطفیٰ ← سید خان جہاں — دوسری پشت میں میر روشن علی حیدری
        - سید نصر اللہ (وارد بلاؤں)
- سید علی اصغر
  - ↓ سید عبداللہ
  - ↓ سید محمود
  - ↓ سید احمد
  - ↓ سید جعفر
  - ↓ سید علی
  - ↓ سید جلال بخاری (دگل سرخ)
  - ↓ سید احمد کبیر
    - سید راجو قتال
    - سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں (سادات بخاری)

باب دوم

امام باڑہ "بڑا دروازہ" کی عزاداری اور اخلاف میر روشن علی حیدری

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ قصبہ جائس کی آبادکاری اسی طور پر کی گئی تھی کہ پورے قصبہ کو آئمہ اثنا عشری کی نسبت سے بارہ محلوں پر تقسیم کیا گیا تھا۔ ان میں ہر ایک محلہ میں ایک امام باڑہ بھی تھا جس میں عشرہ محرم میں عزاداری ہوتی تھی۔ یہ امام باڑے "بارہ دوار" یا "بڑا دوار" یا "بڑا دروازہ" کہلاتے تھے۔ جائس میں محرم و رسوم عزا کی قدامت کا اندازہ محلہ ہاشمی (تمبانہ) کے امام باڑہ "بڑا دروازہ" پر ہونے والی عزاداری سے لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں پر سادات نقوی (سبزواری) کے مورث اعلیٰ سید شرف الدین بن سید نجم الدین اور سادات نقوی (بخاری) کے جد اعلیٰ شاہ سید عبداللہ بخاری نے اقامت اختیار کی تھی۔ "بڑا دروازہ" جائس ہی نہیں بلکہ شمالی ہندوستان کے قدیم امام باڑہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہ امام باڑہ بغرض عزاداری درمیان اہالیان محلہ ہاشمی (تمبانہ) کے وقف ہے اور مصارف عزا کے لئے آراضیاتِ شاہان مغلیہ کے عہد سے بطور معافی عطا ہوئی تھیں شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں سید ارشد اس محلہ کے ایک ذی اثر اور بزرگ رئیس تھے اور میر روشن علی حیدری کے اسلاف میں سید مٹھا ان کے رفیق و ہم عصر تھے۔ اس زمانے میں اخراجات مجالس، روشنی، سجاوٹ اور جلوس ہائے عزا کے لئے حکومت وقت سے جو آراضیات عطا ہوئی تھیں اور جن کے محاصل ایام عزا میں اس امام باڑہ پر صرف ہوتے تھے وہ قریہ ارشد پور کے نام سے نواح جائس میں مشہور ہے۔ یہ عزاخانہ محلہ تمبانہ کا جمہوری عزا خانہ قرار پایا جہاں پر اس محلہ کے لوگ اجتماعی طور پر مراسم عزا انجام دیتے ہیں۔ انتظام امام باڑہ و آراضیات معافی و انصرام عزا مطابق دستور قدیم اہالیان محلہ بذریعہ متولی کرتے ہیں۔ اور متفقہ روایت اس امام باڑے کی تولیت کے بارے میں یہ رہی ہے کہ حسب ضرورت اہالیان محلہ سید ارشد کے اخلاف میں سے کسی لائق و موزوں فرد کو باتفاق رائے متولی منتخب کر کے اس کے انتظام و انصرام اور افراد محلہ کے اجتماعی تعاون و مالی و عملی مدد سے رسوم عزا انجام دیتے ہیں میر روشن علی

حیدری کے اسلاف و اخلاف اس امام باڑہ سے متعلق رسوم عزا کی انجام دہی میں ہمیشہ اپنا مکمل تعاون دیتے آئے ہیں اور متولیٔ وقت کی اعانت میں برابر اس کا ہاتھ بٹاتے رہے ہیں۔ ذیل میں بڑا دروازہ کے سابق متولیوں کے نام اور ان کے ہم عصر میر روشن علی حیدری کے اسلاف و اخلاف کے نام پیش ہیں جنھوں نے متولیوں کے ساتھ پورا پورا عملی تعاون کیا۔

نام متولی	اجداد و اخلاف میر روشن علی حیدری
۱- سید فتح اللہ بن سید ارشد	سید منجھلے (عہد جلال الدین اکبر و جہانگیر)
۲- سید محمد	سید بڈّا (عہد اورنگ زیب عالمگیر)
۳- سید علاء الدین	سید منجھلے (بہادر شاہ اوّل)
۴- سید حبیب اللہ	سید خان جہاں (جہاندار شاہ)
۵- سید یوسف	سید محمد مجیب (بادشاہ فرخ سیر)
۶- سید مظفر علی	میر روشن علی حیدری (محمد شاہ رنگیلے - وبرہان الملک)
۷- سید انصاف علی	سید عنایت علی و سید فتح علی (نواب آصف الدولہ)
۸- سید میر حسین	سید غلام امام و سید غلام رضا (نواب سعادت علی خاں)
۹- سید حیدر حسین	سید حسین و محمد حسن (نصیر الدین حیدر)
۱۰- سید اصغر حسین	اولاد حسین و نوازش حسین (انگریزی عہد)
۱۱- سید محمد حیدر واقف	الطاف حسین، امیر الحسن و محمد احمد (ایضاً)
۱۲- سید محمد وارث	حسن احمد و غلام امام (آزاد ہندوستان)
۱۳- سید قوی حسن	سید آل احمد و غلام ثامن (ایضاً)

مندرجہ بالا متولیان امام باڑہ محلہ ہاشمی (تمبانہ) میں سے بعض قدیم متولیوں کے دستخط اور مہر لگے تصدیقی اسناد و شاہی فرامین معافی جاگیر، مدد معاش و عطائے نانکار سے متعلق اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ فرامین اس بات کا ثبوت ہیں کہ شاہی عطایا ان متولیوں کے تصدیق و توثیق کے بغیر دربار شاہی سے منظور نہیں ہوتے تھے ان دستاویزات کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محلہ ہاشمی کے متولیوں کی عزت و منزلت اور ان کی سیادت کا وقار شاہی دربار تک تھا۔ ان میں سے کچھ

فرامین ذیل میں بطور نمونہ پیش ہیں :۔

(۱) دروجہ مدد معاش شیخ محمد اسحٰق وغیرہ

بموجب تصدیق سیادت مآب سید محمد متولی ۱۰۸۰ ہجری

(۲) دروجہ مدد معاش سید ماہرو وغیرہ

بموجب تصدیق سیادت مآب سید علاء الدین متولی ۱۰۸۰ ہجری

(۳) دروجہ مدد معاش سید ماہرو وغیرہ

بموجب تصدیق سیادت مآب سید حبیب اللہ متولی ۱۰۸۹ ہجری

(۴) دروجہ مدد معاش شیخ محمد ہاشم وغیرہ

بموجب تصدیق سیادت مآب سید مظفر علی متولی ۱۱۷۱ ہجری

محلہ ہاشمی (تمبانہ) کے عزاخانہ بڑا دروازہ میں آج بھی صدیوں پرانی روایات کے ساتھ اسلاف کے مقرر کیئے ہوئے طور طریقوں پر عشرہ محرم کی مجالس ہوتی ہیں جن میں اوّلاً فارسی اشعار کے ساتھ بطور پیش خوانی "ذکر" ہوتا ہے اور حاضرین مجلس باواز بلند ان اشعار کو دہراتے ہیں ۔ منبر پر عربی زبان میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اسمیں بھی حاضرین مجلس درمیان خطبہ بلند آواز میں "علی یا علی" کہتے ہیں ۔ پھر دوسرا ذاکر فارسی میں بطرز روضہ خوانی کتاب "روضتہ الشہدا" کی تلخیص محرم کی الگ الگ تاریخوں میں کسی ایک شہید سے متعلق مجلس پڑھتا ہے ۔ ان مجالس کی ذاکری خطبہ خوانی نیز جلوس ہائے عزامیں مرثیہ خوانی بھی روایتاً میر روشن علی حیدری کی اولاد و احفاد سے متعلق رہی ہے اور تا حال یہی انتظام برقرار ہے ۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ متولیان امام باڑہ کو ان لوگوں سے پورا پورا تعاون ملتا رہا ہے ۔ یہ ایک پسندیدہ اور مستحسن امر ہے کہ کبھی بھی کوئی اختلاف اس امام باڑہ کے متولیان اور اہل محلہ کے درمیان نہیں تھا ۔ اگر رہا بھی ہوگا تو اس نے کبھی بھی کسی نزاع کی صورت اختیار نہیں کی اور اختلافی مسائل کو آسانی کے ساتھ حل کر لیا گیا ۔ البتہ ۱۹۱۷ء میں سید محمد حیدر کے عہد تولیت میں ایک ناخوشگوار صورت متولی اور اہالیان محلہ کے درمیان پیدا ہوئی تھی ۔ متولی نے وقف آراضیات و عمارت امامباڑہ اس کے سامان آرائش وغیرہ سے انکار کیا اوران سب پر اپنی ملکیت و حقیت ظاہر کرتے ہوئے اہالیان محلہ سے گریز کیا اور جب محلہ والوں نے متولی موصوف سے اسباب عزا طلب کیا تو انھوں نے امام باڑہ چھوڑ کے اور سامان دینے سے انکار کیا ساتھ ہی امام باڑہ کے وقفی آرضیات کو تین مساوی حصوں

پر تقسیم کرکے محاصل معافی امام باڑہ تصرف کر گئے اس لئے اہالیان محلہ نے ایک جلسۂ عام ۱۵ رنومبر ۱۹۱۷ء کو منعقد کیا جس میں حقوق اہل محلہ و امام باڑہ سے متعلق عزاداری کے بارے میں ایک دستور العمل بنایا اور ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر کی تاکہ وہ متولی سے بات کرکے اپنی رپورٹ دے۔ اسی سلسلہ میں اہالیان محلہ نے ڈپٹی کمشنر رائے بریلی اور لیگل ریمبرنسر کو ایک درخواست بھی ارسال کی جسمیں موجودہ متولی کو معزول کرکے ان کی جگہ دوسرا متولی مقرر کرنا چاہا اور آراضیات معافی و عمارت امام باڑہ میں دخل یابی پانے کے لئے حسب دفعہ ۹۳ ایکٹ ۱۹۰۸ء لوکل گورنمنٹ کی اجازت دعویٰ دائر کرنے کے لئے چاہی۔ بعدہٗ عدالت ڈسٹرکٹ جج رائے بریلی میں محلہ کے گیارہ افراد کی طرف سے مقدمہ کی درخواست دی گئی۔ محلہ کے ان گیارہ افراد میں میر باقر علی، سید احمد حسین (سب جج) سید وراثت حسین، سید نجم الدین حسین (خان بہادر)، سید منیر علی سید وصی علی، سید نوازش حسین، سید امیر الحسن، منشی غلام مہدی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں میں پہلے تین نام تو خود سید ارشد کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اسکے بعد کے تین نام شاہ عبداللہ (بخاری) کے خاندان سے متعلق ہیں اور آخر کے تین نام میر روشن علی حیدری کے گھرانے کے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ متولی کے خاندان کے لوگوں نے بھی ان کے رویّہ سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا چنانچہ متولی کے برادر عم زاد میر تقی حسن نے ایک خط سید نجم الدین حسین، سید احمد حسین، سید باقر علی، سید نوازش حسین و سید نقی رضا صاحبان کو لکھ کر اسی بات کا اقرار کیا۔ اس خط کا متن اس طرح ہے:-

"چونکہ آپ لوگوں کا ارادہ ہے کہ متولی موجودہ برخواست کیا جائے اور آراضی معافی امام باڑہ ان کی ذاتی ملکیت سے نکال کر حسب رائے اہالیان محلہ عزاخانہ میں صرف کیا جاوے اور اس کے لئے آپ حضرات درعدالت پر جانے کے لئے اور دعویٰ دائر کرنے کے لئے آمادہ ہیں لہذا میں آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ میں چونکہ اس آراضی کا سرکاری کاغذات میں شریک دار ہوں لہذا میں اس بات کا مقر ہوں اور میرے باپ دادا بھی اسکے مقرو کاربند تھے کہ یہ آراضی موقوفہ صرف عزاخانہ امام باڑہ محلہ ہاشمی کے لئے ہے نیز اور میرے باپ دادا محاصل ان آراضیات کا خود پر حرام سمجھتے تھے اور سمجھتا ہوں لہذا آپ حضرات مدعیان جمہوریت مجھے خرچہ ڈگری سے بری سمجھیں۔ مجھے اس جائیداد سے ذاتی کوئی تعلق نہ تھا

اور نہ ہے۔"

کمترین قوم سید تقی حسن ابن المغفور سید بندہ حسن نقوی

اہالیان محلہ ہاشمی کی اجتماعی کوششوں سے تنازعہ جلد ہی ختم ہوگیا اور متولی محمد حیدر نے اپنی غلطی محسوس کرکے محلہ والوں کی بات مان لی کیونکہ اس واقعہ کے چند ہی سال بعد یعنی ۱۹۲۲ء میں متولی موصوف نے عمارت امام باڑہ کی تعمیر و مرمت کے لئے محلہ والوں سے جو اپیل کی تھی اس بات کی توثیق کردی کہ امام باڑہ کو موصوف نے جمہوری ملکیت ماننے کے بعد ہی یہ اپیل اہل محلہ سے کی تھی۔

"چونکہ مکان محلہ ہاشمی (تمبانہ) جسمیں عزاداری ہوتی ہے اور شادی و غمی و مہانداری اہل محلہ کے لیئے بزرگوں نے بنایا ہے اس وقت اس کی دیوار پورب کی مع در کے نہایت مخدوش و خطرناک ہے۔ اگر مکان گر گیا تو ضرورت محلہ اور عزاداری دونوں مفقود ہو جائے گی اور محتاجی تمام محلہ کو ہوگی۔ لہٰذا توجہ فرمائیں۔

کمترین سید محمد حیدر (متولی)

اگرچہ اس اپیل کے الفاظ اور اس کی عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ متولی نے اپنی بات کہنے میں اس امر کی احتیاط برتی ہے کہ عمارت امام باڑہ کو "امام باڑہ" نہ کہہ کر اسے ایک مکان کہا جسے بزرگوں نے بنایا اور جسمیں عزاداری ہوتی ہے" لیکن بہر حال محلہ والوں نے ان کی اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور سید امیر الحسن نے امام باڑہ کی مشرقی دیوار مع چھت وغیرہ اپنے ذاتی خرچ سے بنوادی پھر اس بارے میں آئندہ کوئی اختلافی صورت متولی موصوف کے عہد منصرمی میں بابت ملکیت امام باڑہ پیدا نہیں ہوئی یہاں تک کہ ۱۹۶۵ء میں سید محمد وارث کے عہد تولیت میں اہالیان محلہ نے امام باڑہ بڑا دروازہ کی پرانی عمارت کو کھدوا کر از سر نو دوسری عمارت پختہ در و دیوار و سلیبی سقف کے ساتھ بنوادی۔

میر صادق علی کمیدان محلہ ہاشمی (تمبانہ) کے ایک ذی اثر بزرگ تھے جن کا نسبی تعلق شاہ سید عبداللہ بخاری کے خاندان سے تھا موصوف انتہائی پاکیزہ نفس و پرہیزگار اور زہد و ورع والے بزرگ تھے۔ جو عہد نواب اصف الدولہ بہادر میں عہدہ کمیدان پر فائز تھے۔ جب الماس علی خاں نے لکھنؤ میں کالا امام باڑہ کے پاس مسجد کی

تعمیر کرائی تو اس کی بنیاد سب سے زیادہ متقی عابد و زاہد سے رکھوائی اور وہ میر صادق علی کمیدان تھے۔ اس سنگ بنیاد رکھنے کے عوض میں الماس علی خاں نے میر صادق علی کو ایک لاکھ روپیہ دیا جس سے انھوں نے جائس میں امام باڑہ اور مسجد تعمیر کرائی یہ امام باڑہ جائس میں "بڑا امام باڑہ" کے نام سے مشہور ہے اور وہ الماس علی خاں کے امام باڑہ واقع کوڑہ جہاں آباد (فتح پور) کی نقل ہے یہاں تک کہ مسجد اور بارہ دری بھی اسی کی نقل ہے۔ میر صادق علی نے اپنے ذاتی امام باڑے کی رونق و آرائش کے ساتھ ساتھ محلہ تمبانہ کے امام باڑہ اور جلوس وغیرہ بھی ہر ممکن تعاون کیا۔ موصوف نے محلہ کے قدیم جلوس (۸ محرم) میں اپنی طرف سے تبرکات جلوس میں جو اضافہ کیا ان میں حضرت عباس علیہ السلام کا علم مبارک ہے جسے وہ اپنے ذاتی امام باڑہ سے لاکر محلہ کے جلوس میں شامل کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ذوالجناح کا اضافہ بھی اس جلوس میں موصوف نے کیا یہ تبرکات محلہ کے جلوس کے ساتھ گشت کرنے کے بعد میر صادق علی کمیدان کے امام باڑہ کو واپس لوٹ جاتے تھے۔ محلہ تمبانہ کے جلوس کی رونق بڑھانے کے لئے موصوف کی اس لگن اور کوشش کے باوجود انھوں نے آٹھویں محرم کے جلوس کو اپنے ذاتی امام باڑہ کا جلوس نہ کبھی کہا اور نہ سمجھا یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء میں (خان بہادر) میر محمد تقی بن میر شبیر علی (کمیدان) نے یک بیک اس جلوس کو اپنا کہہ کر اور اپنے رسوخ اور وسائل کے سہارے اہل محلہ کی ناراضگی کا سبب پیدا کر دیا۔ اور علم مبارک و ذوالجناح کو محلہ کے جلوس میں دینے سے انکار کر دیا۔ میر محمد تقی کی یہ ضد تو اس سال اہالیان محلہ کی یکجہتی کے سبب ختم ہو گئی۔ لیکن بعض تخریبی عناصر اسے ہوا دیتے رہے۔ اس کے پیش نظر اہل محلہ نے اپنی ٹھوس یکجہتی سے ۵ راپریل ۱۹۳۶ء کو ایک جلسۂ عام کر کے میر محمد تقی کے مفروضے کا ہمیشہ کے لئے تدارک کر دیا۔

کارروائی جلسۂ عام منعقدہ امام باڑہ صدر محلہ ہاشمی جائس

حسب قدیم ایک جلسہ بروز سیوم بعد مجلس منعقد ہوا جس میں سید وراثت حسین صاحب نے یہ شکایت پیش کی کہ امسال یہ نئی بات ہوئی کہ علم مبارک جب ۸ محرم الحرام کو سید لطافت حسین و سید انصیر علی اور دوسرے اہل خاندان کمیدان صاحب سے مانگا گیا تو ان حضرات نے دینے سے انکار کیا۔ اور ہم لوگوں کو اس سعادت سے محروم رکھا۔

لہٰذا یہ جلسہ یہ طے کردے کہ اہل محلہ کو علم مبارک کے متعلق کیا حقوق ہیں ۔

بعد غور و خوض و مباحثہ طے پایا کہ یہ علم مبارک اگرچہ کمیدان کے نام سے منسوب ہے اور مرحوم کے اہل خاندان کو اس علم کو اپنے تحویل میں رکھنے اور امام باڑہ کمیدان سے صدر امام باڑہ محلہ ہاشمی تک لانے کا حق حاصل ہے لیکن بعد شمول گشت محلہ وہ جز و جلوس محلہ ہو جاتا ہے اور عام اہل محلہ کو اس کے متعلق علمبرداری کے حق حاصل ہو جاتے ہیں ۔ اور اس کی نقل و حرکت و علم برداری تا اختتام گشت زیر قیادت متولی امام باڑہ محلہ ہاشمی رہے گا لیکن علم مبارک کا چڑھاوا اور ذوالجناح کا چڑھاوا دال وشیر (یعنی) وغیرہ اہل محلہ یا متولی امام باڑہ محلہ ہاشمی نہ لیں گے ۔

— المرقوم ۵ اپریل ۱۹۳۶ء

العبد	العبد
سید محمد حیدر متولی محلہ تمبانہ	سید نصیر علی متولی امام باڑہ کمیدان
ابن سید اصغر حسین مرحوم سابق متولی	ابن المرحوم سید کبیر علی تحویلدار
	علم مبارک جناب عباسؑ بقلم خود

جلسہ کی یہ کارروائی سید کلب عباس ایڈوکیٹ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ۔ جس پر بطور گواہ موصوف کے علاوہ مندرجہ ذیل لوگوں کے بھی دستخط ثبت ہیں ۔

گواہ شد ۔ سید کلب عباس وکیل بقلم خود منتظم جلسہ

گواہ : (۱) سید محمد باقر (۲) سید محمد یوسف حسین (۳) سید علی اطہر (۴) سید آفتاب احمد

اس سلسلہ میں دوسرا مسئلہ انتخاب تولیت امام باڑہ کمیدان صاحب مرحوم کا پیش ہوا اور طے پایا کہ :—

> "چونکہ سابق عمل درآمد یہ رہا ہے کہ اہل محلہ امام باڑہ کمیدان صاحب کا متولی منتخب کرتے ہیں ۔ لہٰذا یہ جلسہ تولیت کا انتخاب کر سکتا ہے چنانچہ سید نصیر علی صاحب نبیرہ کمیدان صاحب متولی امام باڑہ تجویز ہوئے اور باتفاق عام سید نصیر علی صاحب متولی منتخب ہوئے ۔ موصوف نے کل ذمہ داری فرائض تولیت کی قبول کرتے ہوئے اقرار کیا کہ وہ مثل سابق جملہ امور متعلق عزاداری امام باڑہ

کیدان صاحب وگشت ہائے محرم و ۸ محرم حسب دائے
اہل محلہ انجام دیتے رہیں گے "

مندرجہ بالا ریزولیوشن پر سید نصیر علی کے دستخط اس طور پر ہیں۔
" تولیت منظور ہے "۔ سید نصیر علی بقلم خود

دوسرا دستخط سید محمد حیدر متولی امام باڑہ محلہ تمبانہ کا ہے۔
افراد محلہ میں سے جن لوگوں نے اس پر دستخط کئے ان میں سے چند نام ذیل میں پیش ہیں۔

(۱) سید سمی حیدر	(۲) سید غلام اکبر	(۳) سید امیر الحسن
(۴) مولوی نوروز حسن	(۵) سید واثق علی	(۶) سید کفایت حسین
(۷) سید خورشید علی	(۸) مولوی سید کلب حیدر	(۹) سید تقی رضا
(۱۰) بنیاد علی	(۱۱) سید طیار حسین	(۱۲) سید الطاف حسین
(۱۳) سید شبیہ الحسن	(۱۴) سید محمد احمد ——— وغیرہ	

بلند مرتبہ بزرگوں کا مرکز سادات سے آباد بھرا پرا اور اپنے مکینوں کی طرح پاک بنیاد جائس نامے جو ایک قصبہ ہے وہیں میں پیدا ہوا۔ اس سرزمین پر نحوست کا گذر نہ تھا اور وہاں سایہ بوم ظلِ ہما کی مانند عنقا تھا۔ افلاک کے نیچے یہ عجیب خطّہ تھا۔ ہر طرح کی برائیوں سے پاک جس کا حال اب جورِ آسماں سے خراب ہوگیا ہے اور جس کا شیرازہ خواب کی تصویروں کی طرح منتشر ہوگیا ہے۔ دنیا جس کی بلندی پر رشک کرتی تھی زمانے نے اس کو پستی میں ڈھکیل دیا ہے اور اس کی شان و شوکت کو حرفِ غلط بنا دیا ہے۔ قضا و قدر نے اس کی عمارت کو ڈھا دیا ہے اور اس کے بام و در پر تباہی کی علمداری ہوگئی ہے۔
خطیبِ اعظم شمس العلما مولانا سیّد سبط حسن فاطر (از مثنوی نقشِ اوّل)

بابِ سوم (۱)

تذکرہ بنیران میر روشن علی حیدری

خاندان میر محمد عطا

میر روشن علی حیدری کے اخلاف کے تذکرہ کے ساتھ ان کے بنیران کا تذکرہ اور اُن میں سے خصوصیت کے ساتھ کچھ نامور بزرگوں کے حالات زندگی پر روشنی ڈالنا بہت ضروری ہے۔ جس خاندان سے سب سے زیادہ قریبی تعلقات رشتہ داریاں اور عزیزانہ رکھ رکھاؤ رہا ہے وہ میر محمد عطا بن سید عبد الرشید بن سید کمال کا خاندان ہے۔ اس خاندان کا نسبی تعلق سید میران سے ہے۔ سید احمد اور سید ارشد اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میر محمد عطا کا خاندان محلہ ہاشمی کا ایک مقتدر وسیع اور باعزت گھرانہ ہے۔

میر روشن علی حیدری کی بہن بی بی ہیلن میر محمد عطا سے منسوب تھیں۔ میر محمد عطا کے بیٹے سید محمد حیات تھے جو سید محمد مجیب کے نواسے اور میر روشن علی حیدری کے حقیقی بھانجے اور میر عنایت علی و میر فتح علی کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ سید محمد حیات کے تین بیٹے تھے۔ (۱) سید سردار علی (۲) سید شیر علی اور (۳) سید مہربان علی۔ میر سردار علی کی شادی میر فتح علی بن سید روشن علی حیدری کی دختر بی بی رحمہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ جو منشی غلام حسن، منشی غلام حسین اور میر غلام رضا کی حقیقی بہن تھیں۔ میر سردار علی کے بیٹے میر سرفراز علی اور میر احسان علی تھے۔ یہ دونوں بھائی میر فتح علی کے نواسے تھے۔ سید محمد حیات کے دوسرے بیٹے سید شیر علی کی شادی سید غلام امام (عرف چندی میاں) کی دختر بی بی حسن باندی کے ساتھ ہوئی تھی۔ سید شیر علی کے بیٹے سید حمزہ علی تھے۔

اور بیٹی بی بی ببان تھیں جن کی شادی نصیرآباد میں سید محمد ہادی بن سید امیر علی کے ساتھ ہوئی تھی یہ بی بی ببان کے حقیقی خالہ زاد بھائی بھی تھے ۔سید حمزہ علی میر غلام امام کے نواسے تھے ۔سید محمد حیات کے تیسرے بیٹے سید مہربان علی لاولد تھے ۔انھوں نے شادی نہیں کی ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ میر عنایت علی بن میر روشن علی حیدری نے اپنی بیٹی بی بی خیرالنساء (بی بی خیرن) کا رشتہ اپنے بھتیجے منشی غلام حسین کے ساتھ بہت پہلے سے طے کر رکھا تھا ۔شادی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی مگر عین شادی کے دن تک منشی غلام حسین کلکتہ سے وطن نہ آسکے تو میر عنایت علی نے بیٹی کا رشتہ اپنے پھوپھی زاد بھائی سید محمد حیات کے بیٹے میر مہربان علی کے ساتھ طے کر دیا اور نکاح کے لئے طرفین سے اعلان بھی ہو گیا ۔میر عنایت علی کے بھائی سید فتح علی نے جب اس اعلان کو سنا تو بھائی سے کہا کہ اگر غلام حسین کسی سبب سے شادی کے لئے نہیں پہونچ پایا تو اس کا چھوٹا بھائی غلام رضا موجود ہے اس کے ساتھ عقد کر دو چنانچہ انھوں نے بھائی کی بات مان لی ۔میر مہربان علی نے پھر شادی نہیں کی ۔ان کا ایک امام باڑہ بھی تھا ۔جس کے کھنڈرات پتھر کی حویلی کے پاس موجود ہیں ۔میر سردار علی کے بیٹے میر سرفراز علی کی شادی منشی غلام حسن کی بیٹی کنیز فاطمہ کے ساتھ ہوئی تھی ۔منشی غلام حسن نواب شمس الدولہ بہادر کے اتالیق تھے ۔ان کی صرف ایک ہی بیٹی تھی ۔جسے وہ بے حد چاہتے تھے ۔اپنی بیٹی کے لئے انھوں نے پتھر کی حویلی بنوائی تھی ۔اس بیٹی سے صرف ایک بیٹی ہوئی امتہ الفاطمہ جو میر پناہ علی کو بیاہی گئی اور اس لڑکی کے سے بھی صرف ایک لڑکی ہوئی امتہ الزہرا جو میر باقر علی کو منسوب ہوئی۔ میر سردار علی کے دوسرے بیٹے سید احسان علی کی شادی منشی غلام رضا کی بیٹی کنیز زہرا کے ساتھ ہوئی تھی وہ بی بی خیرن بنت میر عنایت علی کی بیٹی تھیں ۔احسان علی کے چار بیٹے تھے ۔سید مراد علی، سید نوروز علی، سید پناہ علی اور سید ابن علی، بیٹی صرف ایک تھی۔ بی بی زینب جو میر فیض حسین سے بیاہی گئی ۔یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ سید مراد علی کو چھوڑ کر باقی تین بھائیوں میں کسی کی اولاد نرینہ نہ تھی ۔سید نوروز علی کی دو بیٹیاں تھیں ۔میر پناہ علی کی صرف ایک بیٹی تھی اور میر ابن علی کی بھی صرف ایک بیٹی علیم النساء تھی جو میر مبارک حسین بن میر فیض حسین کو منسوب تھی۔ اس طرح میر میر سردار علی کے چار بیٹوں میں صرف میر مراد علی سے نسبی سلسلہ برقرار رہا۔

میر سردار علی کے دوسرے بھائی میر شیر علی کے نسبی سلسلہ کا بھی یہی حال رہا

ان کے بیٹے میر حمزہ علی کے دو بیٹے تھے (۱) سید مقصود الحسن اور (۲) سید احمد میر مقصود الحسن لاولد فوت ہوئے دوسرے بیٹے سید احمد کی شادی میر اولاد حسین کی بیٹی امتہ المسنین کے ساتھ ہوئی تھی جو میر الطاف حسین و ساجد حسین کی بہن تھیں۔ سید احمد کے دو بیٹے تھے پہلے امیر احمد جن کی صرف ایک بیٹی تھی۔ نرجس خاتون جو منشی شبیہہ الحسن کو بیاہی تھی۔ اور دوسرے بیٹے کا نام رشید احمد عرف رشّو تھا۔ رشید احمد کی تین بیٹیاں تھیں۔ ذاکری خاتون زوجہ اولاد حسین، ناظری خاتون زوجہ غلام امام اور دادائی خاتون زوجہ کفایت حسین اولاد نرینہ دونوں بھائیوں میں کسی کی نہ تھی۔ اس طرح میر شبیر علی کا نسبی سلسلہ بھی تین پشتوں کے بعد ختم ہوگیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ میر سردار علی کے بیٹے میر احسان علی کے چار بیٹوں میں اولاد نرینہ میر مراد علی کے یہاں تھی۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ (۱) سید باقر علی (۲) سید امداد علی اور (۳) سید ناصر علی۔ تین بیٹوں کے علاوہ میر مراد علی کی تین بیٹیاں بھی تھیں۔ بی بی عباس بانو میر انوار حسین بن سید محمد عطا سید انوری کو بیاہی تھیں دوسری بیٹی سید وزیر علی کو اور تیسری مولوی عبد المہدی کو بیاہی تھی۔

میر مراد علی کے بیٹوں میں میر باقر علی کی شخصیت اس درجہ دل پسند اور پر اخلاق تھی کہ بات چیت طرز گفتگو، معاملہ فہمی اقربا نوازی مہمان نوازی نیز اپنی گوناگوں صفات پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ سے وہ نہ صرف جائس بلکہ دور دور تک مشہور تھے۔ میر باقر علی کی یہ ساری خوبیاں ان کی اولاد میں بھی بدرجہ اتم پہونچیں۔ ان کے بھائی میر ناصر علی اور میر امداد علی بھی ان صفات کے حامل تھے میر باقر علی کو خاندان میر غلام امام کی ہر فرد سے بے انتہا محبت تھی۔ ان کے فرزند سید بادشاہ علی اور سید دلدار علی تھے۔ افسوس ہے کہ اس خاندان اور خاندان میر غلام کے بیچ قرابتوں اور رشتہ داریوں کا جو تانا بانا میر غلام امام اور ان کے اسلاف نے ڈالا تھا وہ میر پناہ علی اور میر اولاد حسین کی خاندانی تنزاع اور آپسی رنجش کے باعث ایک طویل عرصہ سے جمود کی حالت میں ہے۔

باب سوم (۲)

خاندان میر نجات علی

محلہ ہاشمی (تمبانہ) میں میر نجات علی کا خاندان بھی بڑا معزز اور باوقار خاندان ہے۔ میر روشن علی حیدری کے اخلاف سے یہ خاندان قریبی رشتوں سے منسلک رہا۔ میر نجات علی کا خاندان سید ارشد کے خاندان کی ایک شاخ ہے۔ ان کے والد گرامی میر حسین علی بن سید زمان بن سید مانجھے بن سید علاء الدین (متولی بڑا دروازہ) تھے۔

میر روشن علی کے بیٹے میر عنایت علی کی بیٹی بی بی لیسا دن میر نجات علی کو منسوب تھیں۔ ان کے اولاد کا شجرہ ذیل میں پیش ہے۔

میر عنایت علی کے نبیران جو ان کی بیٹی بی بی لبا دن کے بطن سے تھے تینوں نے آگے چل کر دنیاوی ترقی کی اور اپنا اور اپنے والد میر نجات علی کا نام روشن کیا۔ ان بھائیوں کے حالات زندگی مختصراً پیش ہیں۔

خان بہادر سید محمد

۲۵ / اکتوبر ۱۷۹۵ء مطابق ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۱۰ ہجری کو جائس میں پیدا ہوئے۔ سید محمد اور ان کے بھائی مولوی سید امام اور سید محمد حسین جائس میں کسی قدر تعلیم حاصل کر کے لکھنؤ چلے گئے وہاں حسب رائے و مشورہ مرزا آغا میر جو آخر میں خطاب معتمد الدولہ پاکر شاہ اودھ غازی الدین حیدر کے وزیر ہوئے تھے۔ اور جن سے ایام طالب علمی میں سید محمد کو بڑا ارتباط تھا وہ انگریزی ملازمت کی طرف مائل ہوئے۔ فوجی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ ۲۶ بنگال رجمنٹ جو چھاونی منڈیاؤں میں تھی وہاں سے ۱۸۱۷ عیسوی میں کیتھا (ہندوستان چل) چلے گئے پھر وہاں سے تبادلہ پاکر ہوشنگ آباد اور بیتول چلے گئے۔

منشی سید محمد حسین

سید محمد کے چھوٹے بھائی منشی سید محمد حسین بھی بغرض ملازمت سرکاری ہوشنگ آباد آ گئے۔ اور جب ضلع بیتول کا انتظام ہوا تو وہاں ۱۸۲۰ء میں نائب سررشتہ دار مال مقرر ہوئے۔ اور ۱۸۲۷ء میں عہدہ تحصیلداری ملتائی ضلع بیتول پر ممتاز ہوئے۔ آخر میں سررشتہ داری صیغہ فوجداری ضلع بیتول سے ترقی پاکر عہدہ سررشتہ داری ضلع جبل پور کو گئے۔

مولوی سید امام

سید محمد کے بڑے بھائی بھی بغرض ملازمت جبل پور گئے تھے سید محمد بھی جبل پور پہونچے اور مولوی سید امام کو نائب تحصیل دار جبل پور کا مقرر کرایا۔ بعد میں وہ ضلع داری سیکم گڑھ پر تبدیل ہو کر گئے۔

سید محمد نائب تحصیلدار جبل پور کے تھے۔ ان کے سپرد انتظامی معاملات کے علاوہ مقدمات دیوانی و فوجداری کے فیصلے کرنا بھی تھے اسکے بعد وہ لکھنادون کے تحصیلدار مقرر ہوئے۔ سید محمد کی مہمان نوازی شہرۂ آفاق تھی اور انگریزی بھی اچھی طرح واقف تھے۔ لکھنادون جہاں کے وہ تحصیلدار تھے ایک ایسا مقام تھا کہ دکھن سے آنے والے

یہاں قیام کرتے تھے۔ پورب پچھم اور اتر کی طرف سے آکر دکن کو جانے والے مسافر بھی وہاں سے گذرتے تھے۔ الہ آباد کلکتہ مرزاپور اور لکھنؤ کے مسافر بھی وہاں قیام کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے آرام و آسائش کا انتظام سید صاحب موصوف نہایت خوبی سے کرتے تھے۔ انگریز افسروں کا وہ خاص خیال رکھتے تھے۔ ۱۸۴۸ء میں ایک انگریز مسافران کے مہمان خانہ میں آکر ٹھہرا اور روانگی کے وقت پوچھا کہ سید صاحب اگر آپ کا کوئی کام مجھ سے نکل سکے تو بتائیے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ ایسی کوئی حاجت نہیں جس کے لیے آپ کو تکلیف دوں مگر افسر نے ایک کتاب پر اپنا نام و پتہ وغیرہ لکھ کر انھیں دے دیا۔ پڑھنے پر معلوم ہوا یہ آنریبل مسٹر ولیسٹ ہیں۔ جو گورنر جنرل کے ایڈی کانگ ہو کر پنجاب جا رہے ہیں۔ انگریز افسر نے جب پھر اصرار کرکے پوچھا تو فرمایا کہ میرا بیٹا سید عبداللہ بنارس کے کالج میں انگریزی تعلیم پاکر فارغ التحصیل ہو گیا ہے اگر آپ سے ہو سکے تو اسکی نوکری کی کوشش کیجئے۔ ایک عرصہ بعد جب پنجاب میں انگریزی تسلط ہو گیا تو ولسیٹ صاحب نے سید محمد کو لکھا اگر آپ کا لڑکا بورڈ آف ایڈمنسٹریشن میں مترجم کے عہدے پر کام کرنا پسند کرتے تو اس کو فوراً بھیج دیں لاہور میں رہنا ہوگا۔ تنخواہ ایکسو۱۰۰ روپیہ مہینہ ہوگی۔ چنانچہ سید عبداللہ لاہور گئے اور خوش اسلوبی سے اپنا کار منصبی انجام دینے لگے۔ کرنل سرہنری لارنس جو اس وقت ریزیڈنٹ تھے انھیں سید عبداللہ کا کام اور زبان اتنا پسند آیا کہ انھوں نے سید عبداللہ سے پوچھا کہ گورنر جنرل بھاولپور کے نیٹو ایجنٹ میر ابراہیم خاں صاحب انگلینڈ جانے کا قصد رکھتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ زبان انگریزی سے یکسر ناواقف ہیں اس لئے اگر آپ ان کے انٹرپریٹر بن کر انگلینڈ جانا چاہیں تو ایک ہزار ماہوار تنخواہ کے ساتھ خرچہ آمدورفت پر وہاں چلے جائیں۔ سید صاحب کی آغاز جوانی تھی اور شوق تکمیل زبان دانی بھی اسلئے فوراً راضی ہو کر میر ابراہیم کے ساتھ روانہ ہو گئے اور اپنے باپ سید محمد سے پوچھا بھی نہیں کراچی بندرگاہ سے روانہ ہوئے اثنائے راہ سے والد کو خط لکھا جو ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور علیحدہ پیش ہوگا۔ والد نے ان کی شادی طے کر رکھی تھی اس خبر سے ان کو بے حد صدمہ ہوا نتیجہ انھوں نے یہ نکالا کہ تعلیم انگریزی کا انجام خود رائی اور ایسی آزادی ہے جو اہل ہند کی طبیعتوں کو پسند نہیں اسلئے انھوں نے اپنے دوسرے فرزند سید غلام حیدر کی جو تعلیم انگریزی کی ہو رہی تھی اسے موقوف کر دیا۔

میر ابراہیم خاں صاحب جب لندن میں اپنا کام انجام دے چکے تو سید صاحب نے ان کے ساتھ ہندوستان آنا پسند نہ کیا اور وہیں رہ گئے اور کنگس کالج لندن میں لیکچرر

پروفیسر زبان ہائے مشرقی مقرر ہوگئے۔ (Prof Oriental Language) دو تین
سال اس عہدے پر رہنے کے بعد سول سروس کی تعلیم کو اختیار کیا اور وہ انگریزوں
کو اردو، فارسی، ہندی، بنگالی، مرہٹی، گجراتی وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ انھوں نے
لندن ہی میں ایک با عزت انگریز کی بیٹی سے شادی بھی کرلی اور ایسا نام پیدا کیا کہ
ملکہ معظمہ ملکہ وکٹوریہ اور پرنس آف ویلز اور پرنس آف کانسرٹ سے دربار میں
حاضر ہوکر دست بوس ہوئے۔ مگر افسوس کہ ان کے والد سید محمد صاحب نے پھر
اپنی زندگی میں ایسے ہونہار فرزند کو نہ دیکھا اور دیدار کا شوق لئے فردوس بریں
کو سدھار گئے۔ مولوی سید علی صاحب عرف علی میاں کامل نے ان کا مرثیہ لکھا۔ جس کے
کچھ اشعار پیش ہیں:-

نہ بودش ہیچ شوق دولت و مال ، نشستہ اند اندر دل از ہند آمال
دلے در شوق آں نور نگاہش کہ در لندن یکیں بود اندراں حال
سبک خواہد چو رفتن راہ خامش قدم با خود نگیرد باراز دال
جناب سید عبداللہ کی مثلش بناید در کمال فضل و اقبال
چناں بے تاب بودش دل کہ گوئے برآرد چوں ہما اینک پر و بال

کہتے ہیں جس روز سید محمد کا انتقال ہوا اسی رات قریب ایک بجے سید عبداللہ نے
اپنے باپ کو خواب میں دیکھا اور اس قدر بے تاب ہوکر دوڑے کہ ان کی زوجہ جاگ اٹھیں
چھبیس برس لندن میں رہنے کے بعد ہندوستان واپس آگئے اور موتی ہاری (بہار) میں عہدہ
ہیڈ ماسٹری پر مقرر ہوگئے۔ بالآخر ۲ اگست ۱۸۷۹ء کو دین حق مذہب شیعہ اثناعشری پر
انتقال کیا۔ ان کے بارے میں کمال الدین حیدر نے تواریخ اودھ جلد دوم (نولکشور پریس)
میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک انگریز پادری کی بھانجی جو ایک فوجی افسر کی بیٹی تھی اس
سے شادی کرلی جس کے لئے انھوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا کیوں کہ پادری نے
بغیر عیسائی مذہب اختیار کئے ان دونوں کے رسم شادی سے انکار کردیا تھا۔ کمال الدین حیدر
کی یہ تحقیق بے بنیاد ہے۔ سید عبداللہ کی بیوی اور بیٹی دونوں ان کے ساتھ موتی ہاری
میں رہتے تھے مگر ان کے انتقال کے بعد لندن چلے گئے۔ وہاں لڑکی کی شادی ایک انگریز
سے ہوئی جو انگلینڈ میں چینی کے برتنوں کا بہت بڑا تاجر تھا۔ سید عبداللہ کی قبر موتی ہاری
میں ہے۔ ان کے بارے میں عبدالحلیم شرر نے اپنی کتاب "گذشتہ لکھنؤ" میں لکھا ہے کہ
سلطنت اودھ کے چھن جانے پر اودھ کی ملکۂ عالیہ (والدہ نواب واجد علی شاہ) ولی عہد

سلطنت اور بھائی مرزا سکندر حشمت ملکۂ وکٹوریہ سے انصاف مانگنے لندن گئے تو وہاں سید عبداللہ جائسی نے ازارہ دولت خواہی و ہمدردی ملکۂ عالیہ کی طرف سے جو عرضی تیار کی اس میں اپنی گرم بازاری سے بہت سی تاثیر آمیز باتیں درج کیں۔ یہ درخواست ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں پیش ہوئی مگر کوئی مفید مطلب نہ نکلا۔ نواب واجد علی شاہ نے سید عبداللہ کے لئے "اصلاح الدولہ" کی مہر کندہ کرا کے بھیجی تھی۔

سید محمد

اپنی لیاقت اور کارگذاری کی وجہ سے انگریز حکام کے منظور نظر تھے۔ جنرل ہنری ولیم سولمن صاحب جو آخر میں لکھنؤ کے ریزیڈنٹ ہو گئے تھے اور سر ڈانلڈ فریڈ میکلوڈ صاحب بہادر جو آخر میں پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر تھے یہ دونوں صاحبان سید محمد کے کام سے بے حد خوش تھے اسی طرح مسٹر جارج سینٹ ٹمکر صاحب جوڈیشنل کمشنر بھی سید صاحب کو اپنا دوست مانتے تھے۔ اور نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے سید عبداللہ کے لندن چلے جانے کے بعد سید محمد صاحب نے کپتان ڈیوڈ ہنری ٹالا ڈپٹی کمشنر جبل پور سے کہا کہ وہ اب اپنے منجھلے بیٹے غلام حیدر کو انگریزی نہیں پڑھانا چاہتے اور غلام حیدر سے کہا کہ جس قدر پڑھ چکے ہو اس پر اکتفا کرو اور جو نوکری بہم پہونچے اسے اختیار کر لو۔ اسی درمیان ان کے چھوٹے بھائی سید محمد حسین جو جبل پور کے تحصیل دار تھے ۱۳ جون ۱۸۵۱ء کو اس دار فانی سے انتقال کر گئے۔ یہ دوسرا امر سید محمد کی دل شکستگی کا ہوا۔ کپتان ٹالا صاحب نے سید غلام حیدر کو بلا کر ایک معمولی نوکری دس روپے ماہوار کی دی لیکن وہ بہت جلد اپنی خوش انتظامی سے اسی کے سررشتہ دار ستر روپیہ ماہوار کے مقرر ہو گئے اور یہ تنخواہ اس زمانے میں کسی تحصیلدار کی بھی نہ تھی۔ ۱۸۵۷ء میں غدر ہو گیا۔ سید محمد نے ایام غدر میں ایسی کارگذاری دکھائی اور لاکھوں روپے کے مصارف کا حساب صاف کر دیا جس میں تین ڈپٹی کمشنر ملوث تھے۔ کپتان ولیم تھارڈ صاحب ڈپٹی کمشنر جبل پور نے ان کے لئے ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ کی سفارش کی اور کمشنر صاحب نے امیدواران ڈپٹی کلکٹر میں انکا نام درج کر لیا۔ ۱۸۶۰ء میں سید صاحب بیمار پڑ گئے اور بوجہ ضعف و ناتوانی ملازمت ترک کر کے اور پنشن لیکر اپنے وطن جائس چلے گئے۔ سبکدوشی سے قبل خطاب خان بہادر کا بھی پایا۔ ۱۸۶۱ء میں اپنے چھوٹے بیٹے عبدالحسین کے ساتھ جائس میں رونق افروز ہوئے اور سید غلام حیدر کو جبل پور میں بعہدہ میر منشی و سررشتہ داری کمشنری و ایجنسی جبل پور بمشاہرہ ایک سو تیس روپیہ ماہوار پر چھوڑا مگر ان کی مفارقت سے بڑے رنجیدہ

رہے چنانچہ مسٹر سینٹ جارج ٹکر صاحب سے جو کمشنر اس کمشنری کے تھے جس میں جالس
پڑتا ہے یہ خواہش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ غلام حیدر میرے پاس رہیں اس لئے آپ ایسی
تدبیر فرمائیں کہ وہ جبل پور سے آپ کی ماتحتی میں آ جائیں چنانچہ کمشنر صاحب نے غلام حیدر
کو ایسے موثر انداز میں خط لکھا کہ انھوں نے اپنی امیدواری کو قربان کر دیا۔ اور مواقف
حکم کمشنر صاحب عہدہ تحصیلداری لینا منظور کر لیا چنانچہ ۷ رمئی ۱۸۶۲ء کو وہ وارد بریلی
آ گئے۔ اور تحصیل داری کا چارج لے لیا۔ اس کے بعد غلام حیدر نے اپنی منتقدانہ کارگذاری
سے ایسی ترقی کی کہ جلد ہی دو سو روپے ماہوار کی تحصیلداری پر ترقی پا کر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
کا عہدہ حاصل کر لیا اور بطور مستقل لکھنؤ میں مامور ہو گئے۔ ان کے والد سید محمد صاحب
نومبر ۱۸۶۸ء کو اپنے بیٹے غلام حیدر کو دیکھنے کی غرض سے لکھنؤ آئے اور ایک ہی ہفتہ
بعد ۳ر نومبر ۱۸۶۸ء کو نواب سعادت علی خاں کے مقبرے کے پاس ایک مکان میں
اچانک بلا کسی قسم کی بیماری کے بارہ بجے شب میں انتقال کیا۔ جالس سے لکھنؤ آنے
کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انھوں نے غلام حیدر کو خط لکھا کہ تم اپنے دونوں بیٹوں یعنی
احمد حسین اور وجاہت حسین کا ختنہ کرا دو میں اسی غرض سے لکھنؤ آ رہا ہوں۔ دونوں
پوتوں کا ختنہ اپنے سامنے کرانے کے بعد غسل صحت کرایا اور ۲۶ر نومبر کو مسٹر رچرڈسن
صاحب حاکم خزانہ سے ملاقات کی اسکے بعد اپنے جبلپور کے ملاقاتی کرنل ٹامس ہارڈی
چیمبرلین صاحب سٹی مجسٹریٹ سے ملے۔ کرنل صاحب نے سید صاحب کا ضعف بصارت
دیکھ کر کمپنی کے بساط خانہ سے ایک عمدہ عینک ان کی نظر کے موافق دیا آپ نے فرمایا
کیا اب ہم قبر میں عینک لگا ئیں گے بعد اُسی کے واپس آ کر حجامت بنوائی اور خضاب
ممتاز العلماء مولوی سید محمد تقی صاحب مجتہد العصر سے بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے
چار بجے دن کو مولوی سید علی عرف علی میاں المتخلص بہ کامل معمولاً تشریف لائے ان
سے کہا کہ کل ہم اوناؤ جانا چاہتے ہیں اگر آپ کو فرصت ہو تو میرے ساتھ اناؤ چلیئے
ان کے جانے کے بعد چند خطوط لکھوائے۔ رات میں کھانا کھاتے وقت غلام حیدر سے
کہا اچھا ہوتا کہ تمہاری تنخواہ میں ترقی ہو جاتی غلام حیدر نے کہا جو مجھے ملتا ہے وہ
میرے لئے کافی ہی نہیں بلکہ زیادہ ہے آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ الحمدللہ کہ تم غیور
ہو بعد اسکے سو گئے۔ وفعتاً بیدار ہو کر درد معدہ کی شدت کی شکایت کی اور معاً انتقال
فرمایا۔ مولوی علی میاں سنتے ہی تشریف لائے اور کہا مجھے صبح صبح بلانے سے مقصد
تجہیز و تکفین سے تھا چنانچہ انھوں نے بہترین اسلوب سے غسل و کفن و حنوط فرمایا۔

ممتاز العلماء مولوی سید محمد تقی مجتہد العصر نے اکابر و معززین کے ساتھ نماز میّت پڑھی اور لاش کو تابوت میں رکھ کر چالیس نفر مسلمان کہاروں کے ساتھ تابوت کو لیکر جالس روانہ ہوئے۔ سید مصطفیٰ حسین و سید ولی محمد جوان کے ساتھ جالس سے آئے تھے تابوت کے ساتھ ہوئے سید لطف حسین ان کے نواسے بھی ہمراہ گئے۔ یکم دسمبر ۱۸۶۸ء کو لاش جالس پہونچی اور قریب چار بجے دن کے برج خاکی میں استراحت فرمایا۔ مولوی علی میاں کامل نے مرثیہ لکھا جس کے تین شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

زمرگش کار پردازان عالم — جہانِ عیش را کاواک کروند
عزیزاں بہر تاریخ وفاتش — سوال از جوہر ادراک کردند
بپاسخ مصرعۂ برجستہ فرمود — مکیں خلد بریں آں منبعُ جود

مسٹر ایڈورڈ ہنری پامر آکسفورڈ یونیورسٹی لندن میں عربی زبان کے پرفیسر تھے وہ سند المجتہدین مولانا سید علی حسن صاحب قبلہ مجتہد جالس سے بعض مسائل پر مشورہ کرتے تھے اور خط وکتابت ہمیشہ عربی زبان میں کرتے تھے۔

(سالک لکھنوی - از باسط حسن ماہر لکھنوی نظامی پریس ۱۹۸۱ء)

مسٹر ایڈورڈ ہنری پامر نے جو زبان عربی، فارسی و اردو میں کامل تھے انھوں نے عربی میں تاریخ وفات نکالی۔ لوح مزار پر موافق ہدایت جناب مفتی صاحب یہ عبارت لکھی گئی۔ "اینک مدفن سید محمد خان بہادر"

سید عبداللہ کا خط دارالخلافت فرنگستان لندن سے مورخہ ۲۰ جولائی ۱۸۵۱ء

بندہ اسکندریہ سے بسواری جہاز دخانی "ریپن" نہایت آرام و چین سے ۱۴ مئی کو ساؤتھ ہمپٹن میں داخل ہوا راستے میں بہت عمدہ عمدہ شہر اور جزیرے دیکھے خصوصاً مالٹا و جبرالٹر۔ ایک جگہ ہے جس کو بے آف بسکے بولتے ہیں وہاں پر سمندر مثل کوہ کے غصّہ میں اسطرح لہریں مارتا ہے کہ پانی آسمان تک اچھلتا ہے اور جہاز دخانی بانسوں اوپر کو اٹھ جاتا ہے۔ مجھ کو اور میر ابراہیم صاحب کو بہت قے ہوئی چار روز تک ستوالوں کے مانند پڑے رہے۔ ساؤتھ ہمپٹن میں گاڑی دخانی (ریل گاڑی) کا کیا حال بیان کروں بلا مبالغہ مثل بگولہ دو ہزار آدمی گھوڑے بیل مال لے کر بھاگتی ہے اور سو کوس ایک گھنٹہ میں جاتی ہے جب شہر لندن میں آکر داخل ہوئی تو اس کی صفائی اور

خوبی دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ جس روز سے شہر لندن میں داخل ہوئے روز روز تماشا ہائے عجیب دیکھتے ہیں دولت یہاں اتنی ہے کہ جس کا حد اور حساب نہیں پدموں روپیہ والے لاکھوں سوداگر ہیں۔ بہت بڑا شہر ہے۔ دس برس کامل اس کی سیر کو چاہیئے۔ کیا حسن کیا خلق کیا مہمانداری اس شہر میں ہے۔ کوئی بھیک نہیں مانگتا۔ ہر ایک کا لباس پاکیزہ چہرہ مثل گلاب جب ہم باہر نکلتے ہیں ہزار ہا مرد وزن آس پاس دیکھنے کو جمع ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں آدمی ایسے ہیں جنھوں نے ہند کا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ میں کہاں تک تعریف اس ملک کی کروں ۲۸ مئی کو ملکہ معظمہ عالمیاں وکٹوریہ کا سلام دربار خاص میں ہوا بعد اس کے لارڈ رسل وزیر اعظم نے پیر ابراہیم صاحب کی اور میری ضیافت کی۔ چودہ ہزار لیڈی اور امرایان عظیم الشان جمع ہوئے۔ بڑا باجہ روشنی اور مکان بہت بڑا فردوس نشاں کہ جسکی تعمیر میں نو دس کروڑ روپئے صرف ہوئے۔ بڑے بڑے لارڈ اور لیڈی سے خود لیڈی جان رسل نے ملاقات کرائی۔ ناچ گانے کے بعد بڑا کھانا ہوا۔ جان رسل کی دختر جس کا خطاب آنریبل لیڈی رسل ہے بڑی قابل اور انتہائی خوبرو مجھ سے اور پیر صاحب سے متوجہ ہو کر کلام کرتی تھی اور پوچھا کہ اس حسنِ انگلستان کو تم پسند کرتے ہو۔ پیر صاحب نے جواب دیا آفتاب و مہتاب کی طرف کون دیکھ سکتا ہے لارڈ اور لیڈی ہنسنے لگے۔ دوسرے روز لارڈ پیٹر نے اسی طور دعوت کی پھر ۷ جون کو آنریبل کورٹ آف ڈائرکٹرس نے دعوت کا رقعہ بھجوایا پانچ سو بڑے بڑے لارڈ اور گورنر جنرل جمع ہوئے کیا کیفیت اس مجلس کی بیان کروں۔ جناب خداوند نعمت شیپرڈ صاحب جو چیرمین کورٹ آف ڈائرکٹرس ہیں میز کے اول سرے پر رونق افروز ہوئے اور لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل ہند سابق اور جنرل پولک اور جنرل میکلوڈ پیر ابراہیم اور بندہ برابر صف میں بیٹھے اور کلارک صاحب دوسری طرف اسی طرح مجلس آراستہ ہوئی میوہ جات تمام جہاں کے طعام ہائے گوناگوں لذیذ رکابی طلائی چھری کانٹے سنہری رکھے گئے۔ بعد فراغت کھانے کے چیرمین صاحب نے پیر ابراہیم خاں کی شجاعت اور سیر و سفر اور میری صحت کا جام شراب کلام فصاحت نظام سے پیا تمام امرا و لارڈ صاحبان ہرّا ہرّا پکارے کرنل میکلوڈ صاحب نے مجھے اشارہ کیا کہ جواب دوں میں نے اس بیچ کلام نہیں کیا تھا اور نہ جواب دینے کو مطلقاً تیار تھا بالآخر میں چوکی سے اٹھا اور کھڑا ہو کر کلام کیا وہ اخبار ٹائمس میں لفظ بہ لفظ چھپ کر ضرور گیا ہوگا۔ اور سب صاحبوں نے پڑھا بعد اس کے مدرسہ ہیلبری کالج جہاں پر صاحبان سول سروس تربیت پاکر ہند کو جاتے ہیں امتحان میں حاضر ہوئے بعد امتحاں بڑا کھانا ہوا بعد اس کے کیمپ کالج جہاں سے صاحبان ملٹری تربیت پاکر ہندوستان کو جاتے ہیں

وہاں امتحان ہوا اور سینتیس دعوتیں بہت بڑی بڑی ہوئیں جو دعوت یہاں ہوتی ہے تو سو دو سو روپیے کی نہیں ستّر اسّی ہزار روپیہ ایک ایک دعوت میں صرف ہو جاتا ہے۔
۱۴ار جولائی کو بادشاہ بحر و بر تبائید خدا حکمراں ہفت کشور ملکہ وکٹوریہ نے بڑی شان و شوکت سے دعوت کیا۔ ہزاروں لیڈی اور لارڈ جمع ہوئے۔ اب اس مجلس کی کیا تعریف لکھوں فرش مخمل اور کلابتو کا تھا جھاڑ الماس اور زمرّد مونگے اور رنگ برنگے پتھروں اور سچے موتیوں کے اور روشنی گیس کی زمین سے نکل کر نلوں سے اندر آتی ہوئی اس چکا چوند کا عالم اور فوّارہ ہائے عطر ولائیتی اور گلاب کے جاری لوگ اپنے رومال اس سے تر کرتے۔ بادشاہ پرورشیہ شہزادی کینٹ اور دیگر رانیاں گلوں میں ہار ہیرے اور موتیوں کی جھلا بور پڑی ہوئی صورتیں مثل گلنار لباس دھواں دھار لارڈ لوگ اور سپہ سالاران جنگی اپنے لباس فاخرہ سے آراستہ یکبارگی دھوم مچی نقیب ولائیتی پکارے ملکہ وکٹوریہ تشریف لاتی ہیں۔ حضّاران مجلس نے دو رویہ صف باندھی چوڑا راستہ چھوڑا شہزادی وکٹوریہ مکٹ سنہرے کا سر پر گاؤن گلابی بدن پر طغمہ لعل و الماس لگے ہوئے پر قلہ سبز نشان شاہی دونوں طرف قبلۂ عالم شاہزادہ البرٹ و شاہزادی کینٹ کے ہمراہ عقب میں لارڈ چیمبرلین۔ باجا بجنے لگا شاہزادی دونوں طرف صفوں کی جھک جھک کر سلام لیتی ہوئی بڑے محل میں داخل ہوئی۔ بعد چند لمحوں کے شاہزادہ البرٹ میرے پاس آیا اور کہا ملکہ دوران رقص تم سے کلام کریں گی پیر صاحب نے اور میں نے فراشی سلام کیا بعد ایک گھنٹہ کے لارڈ چیمبرلین نے پیر صاحب کو اور مجھ کو پیش کیا۔ مہارانی دام جلالہٗ نے ہاتھ بڑھایا ہلایا ہم دونوں نے گھٹنوں پر ہو کر آداب تمام سے ہاتھ چوما پھر ملکہ نے پیر صاحب سے کہا ہم تمہارے دیکھنے سے بہت خوش ہوئے میں ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ مزاج پوچھا اور کہا کہ یہاں پر جو بڑا میلہ ہے یہ پسند آیا اور کب تک یہاں قیام کرو گے اور ایسی ایسی باتیں دست بستہ مؤدب جواب دیتا رہا۔ پیر صاحب نے شاہزادی کو بہت دعائیں دیں۔ دوسری طرف کھانے کی میز پر نوع بہ نوع نعمتیں نوادر جہاں لگی ہوئیں ہم لوگ وہاں گئے چند میوے اور کچھ برف کھایا۔ بارہ بجے رات کو بڑی میز لگی سونے کے چمچے اور چھری کانٹے اور ہیرے جڑی ہوئی دستی، زمرّد کی رکابیاں۔ واہ واہ۔ وہ صفائی کا عالم۔ امرا و نوابین درجہ بدرجہ کھانے کو بیٹھے۔ پیر صاحب اور میں دونوں بھی بیٹھے۔ میوے بسکٹ برف کی قفلیاں بڑی حکمت سے بنی تھیں

ایک ایک رکابی کھانے پر ہزار ہزار روپیہ کا خرچ تھا۔ تین بجے ملکہ محل میں داخل ہوئیں ہم لوگ بھی روانہ ہوئے اور چار بجے گھر لوٹ آئے۔

۱۶ر جولائی کو مدرسئہ ڈاکٹری میں بڑی ضیافت ہوئی۔ صدہا امراء بلائے گئے۔ وہاں کے اسپتال کو دیکھا کہ خیراتی ہے جو بیمار ہو وہاں جائے بلا روپیہ پیسہ دوا کھانا بچھونا ملازم اس کو ملیگا۔ بیماروں کی تیمارداری پر تین لاکھ ماہانہ خرچ ہے پانچ سو عورتیں اور چھ سو مرد بیمار تھے۔ مگر ان کی مسہریاں ایسی اچھی کہ ہند کے راجگان کی نہ ہوں گی۔ ہر ایک کا لباس صاف کھانا بہت نفیس ہر بیمار کے لئے ایک ملازم دارالشفا اندھوں بہروں کی جدا۔ یتیموں کے گھر جدا جو محتاج ہیں ان کے واسطے جدا اب اگر کلوں (فیکٹریوں) کا حال بیان کردں کو تو لاکھو دفتر ہوں۔ ایسی ایسی ملیں (مشینیں) ہیں کہ آدمی یا جانور کی کوئی حاجت نہیں یہاں دو کانوں کو دیکھو تو باغ جنت ہے۔

کل جناب ہربرٹ میڈک صاحب بہادر جو جبل پور میں عرصہ ہوا تھے اور لکھنؤ میں ریزیڈنٹ تھے ہمارے مکان پر آئے مجھ سے اور پیر صاحب سے ہندی میں گفتگو کی۔ لکھنؤ اور جبل پور کا حال مجھ سے پوچھا۔ نام بنام سب کو پوچھا پھر کہا کس زمانے میں لکھنؤ عجیب جگہ تھی۔ اب تو خاک اڑتی ہوگی۔ جنرل کالفیلڈ بھی جو لکھنؤ میں ریزیڈینٹ تھے وہ بھی اکثر ملاقات کو آتے ہیں۔

جناب عموی صاحب قبلہ وکعبہ میر سید محمد حسین پیشکار کو بندگی اور مضمون عرلضیہ ہٰذا واحد ہے۔ ہمشیرہ آمنہ کو بہت تسلی کرنا اور دعائیں کہنا برادر سید حسن کو سلام اور سید لطف حسین کو دعوات مزید حیات و لالہ کنجبہاری مل کو سلام دکورنشات زیادہ حدادب فقط عبداللہ عفی عنہ مقام لندن ۲۰ر جولائی ۱۸۵۱ء

اس ملک میں دافع جہالت یہ ہے کیا دخل مجاز کو حقیقت یہ ہے۔
جائس سے کھلے ہند میں ابواب علوم لاریب مدینۂ شریعت یہ ہے۔

(حضرت نجم مصطفیٰ آبادی)

باب سوم (۳)

خاندان میر فدا حسین نصیر آباد

قصبہ نصیر آباد میں میر فدا حسین نمبردار کا خاندان میر روشن علی حیدری کے اخلاف سے قرابت و رشتوں کے تانے بانے میں منسلک ہے جتنی شادیاں ان دونوں خاندانوں میں ہوئیں اور کسی خاندان کے بیچ نہیں ہوئیں۔ دراصل یہ دونوں خاندان ایک ہی جد یعنی سید خان جہاں رضوی کی نسل سے ہیں۔ میر روشن علی حیدری کے حقیقی چچا سید اچھے کے بیٹے میر علیم الدین جائس میں تھے لیکن ان کے بیٹے سید عصمت علی جائس سے نصیر آباد چلے گئے۔ پھر بھی وہ اپنے بنی اعمام سے الگ نہیں ہوئے بلکہ رشتوں کی استواری میں ایک دوسرے سے شیر و شکر رہے۔ میر عصمت علی کی بیٹی بی بی نعمت جائس میں میر غلام امام (چھنڈی میاں) بن میر عنایت علی سے منسوب تھیں۔

میر عصمت علی کے ایک بیٹے سید وزیر علی کی دختر بی بی ہوسن منشی محمد حسن کو اور دوسرے بیٹے سید حسین علی کی بیٹی بی بی نجوا سید حسن کو بیاہی تھیں۔ یہ دونوں بھائی میر غلام امام کے بیٹے تھے اور ان دونوں کی بیویاں اُن کے ماموں کی بیٹیاں تھیں۔ میر حسین علی کے بیٹے میر فدا حسین نصیر آباد کے بہت بڑے زمیندار تھے کہتے ہیں انھوں نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کے جان و مال اور ان کی عورتوں اور بچوں کی بڑی مدد کی تھی اس لئے بعد استحکام عملداری برٹش گورمنٹ میر فدا حسین کو انگریز افسروں کی سفارش پر بڑی جائداد اور زرعی اراضیات صلہ میں ملیں۔ موصوف نے قحط کے زمانے میں بہت سے غلام اور کنیزیں باہر سے لا لا کر اپنے اعزہ میں دی تھیں۔ ان کی شادی جائس میں میر غلام امام کی دختر بی بی رحتن کے ساتھ ہوئی تھی جو ان کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ بی بی رحتن سے میر فدا حسین کے دو بیٹے تھے (۱) سید نثار حسین عرف میاں جان اور (۲) سید رحمت علی عرف میاں محمد

بی بی رحتن کے انتقال کے بعد میر فدا حسین نے دوسری شادی اپنے بیٹوں کی مرضی کے خلاف کسی باہری عورت سے کرلی تھی۔ جوان کے بیٹوں کی مرضی کے خلاف تھی اس شادی کے بعد میر فدا حسین اور ان کے بیٹوں کے بیچ اتنی کشمکش ہوئی کہ وہ اپنی زمینداری نصیر آباد میں اپنے کسی دور کے عزیز کو دے کر زیارت عتبات عالیات کی غرض سے بمبئی چلے گئے۔ زیارت قسمت میں نہ تھی اس لئے بمبئی میں گوناگوں تکالیف جھیل کرتن بہ تقدیر پھر نصیر آباد واپس لوٹ آئے۔ زمینداری پہلے ہی دوسرے کے سپرد کرچکے تھے اس لئے زندگی کے باقی دن تنگی میں گذرے۔

میر فدا حسین کے بیٹے میاں جان کی شادی جائس میں میر مرتضیٰ حسن کی بیٹی امتہ السیّدہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان معظمہ سے ایک بیٹی امتہ السبطین عرف ببّن اور ایک بیٹا اصغر حسین ہوئے۔ بی بی ببّن کی شادی جائس میں میر ساجد حسین کے ساتھ ہوئی تھی جس سے ایک بیٹی بنی باندی عرف ببّن ہوئی جو سید حسن احمد سے منسوب ہوئی۔ اصغر حسین سے چار بیٹے ہوئے۔ (۱) ابوالحسنین (۲) فیروز حسنین (۳) عوض حسنین (۴) امیر حسنین۔ میر فدا حسین کے دوسرے بیٹے میاں محمد کی شادی جائس میں میر ابوالحسن کی بیٹی بی بی بتوا کے ساتھ ہوئی تھی میر ابوالحسن میاں محمد کے ماموں زاد بھائی تھے۔ بی بی بتوا اپنے باپ ہی کی ڈیوڑھی پر رہیں اور جائس کو نہیں چھوڑا ان سے ایک بیٹا اکبر حسین اور دو بیٹیاں سیدالنساء (زوجہ باقر حسین نصیر آبادی) اور علیم النساء (زوجہ عمادالحسن) ہوئیں۔ اکبر حسین اور ان کی اولاد کے حالات کا تذکرہ آگے صفحات میں ہوگا۔

میاں جان اور میاں محمد دو بیٹوں کے علاوہ فدا حسین کی ایک بیٹی بھی زوجہ اولی سے تھی جس کا نام بی بی فاطمہ کبریٰ تھا اور وہ میر حیدر حسن بن میر محمد حسن کو بیاہی تھیں۔

میر فدا حسین کی دوسری بیوی سے متعدد اولاد ہوئیں ایک بیٹا التفات حسین اور چار بیٹیاں فقیہ، صفیہ، طیبہ اور اکبری ہوئیں۔ بی بی فقیہ کی شادی جائس میں میر ذاکر حسین کے بیٹے میر فضل حسین سے ہوئی یہ محلہ سیدانہ کے رہنے والے تھے۔ اور بڑے عالی نسب خاندان کے فرد تھے۔ فضل حسین کی بیٹی صغریٰ بیگم کی شادی سید اکبر حسین بن میاں محمد کے ساتھ ہوئی تھی۔ التفات حسین کے تین بیٹے تھے (۱) اکرام حسین (۲) اقبال حسین اور (۳) افتخار حسین۔

میر فدا حسین نمبردار کے خاندان سے بھی اب جائس میں رشتے اور قرابتیں کم ہوگئی ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ دونوں طرف کے افراد خاندان ایک دوسرے کے پرانے رشتوں کو بھولتے جارہے ہیں۔

شجرہ خاندان میر فدا حسین نمبر دار (نصیر آباد)

سید خان جہاں رضوی (جائسی)

سید معروف
سید ابو محمد
میر محمد شفیع
میر محمد علی (وارد بنگال)

سید اچھے
معین الدین (لاولد)
سید علیم الدین

سید محمد مجیب
سید روشن علی حیدری (جائس)

سید شاہ محمد

سید علیم الدین کی اولاد:
سید عصمت علی (وارد نصیر آباد)
رحمت علی (لاولد)

سید عصمت علی کی اولاد:
سید حسین علی
سید علی — بی بی صغرا باندی
سید وزیر علی — بی بی بہوبن (زوجہ محمد حسن جائس)
بی بی نعمت (زوجہ میر غلام امام جائس)

سید حسین علی کی اولاد:
بی بی چندا (زوجہ ناظم علی)
میر فدا حسین
بی بی نجوا (زوجہ سید حسن جائسی)

میر فدا حسین کی اولاد:
اکبری
طیبہ
سید التفات حسین
صفیہ
فقیہ (زوجہ فضل حسین)
نثار حسین عرف میاں جان
رحمت علی عرف میاں محمد
فاطمہ کبریٰ (زوجہ حیدر حسن)

نثار حسین عرف میاں جان کی اولاد:
سید اصغر حسین
بی بی بتن (زوجہ صابر حسن)

سید اصغر حسین کی اولاد:
ابوالحسنین
عوض حسنین
فرزند حسنین
امیر حسنین

رحمت علی عرف میاں محمد کی اولاد:
سید النساء (زوجہ باقر حسین)
سید اکبر حسین
علیم النساء (زوجہ عماد الحسن)

سید اکبر حسین کی اولاد:
قمر حسین
شبیہ الحسن
رعایت حسین
کوثری (زوجہ ابوالحسنین)

رعایت حسین کی اولاد:
محمد میاں
ظفر حسین

شبیہ الحسن کی اولاد:
وجیہ الحسن
صغیر الحسن

سید التفات حسین کی اولاد:
اکرام حسین
اقبال حسین
افتخار حسین

اقبال حسین کی اولاد:
جعفر رضا
ناصر رضا
محمد عسکری

باب چہارم

میر روشن علی حیدری
میر عنایت علی
مولوی سید فتح علی
منشی غلام حسن
منشی غلام حسین (خان بہادر)
منشی سید غلام رضا
منشی کلب حسن بلیغ
منشی کلب حسین
منشی غلام مہدی
میر غلام امام رضوی
منشی سید محمد حسن
میر سید حسن
منشی سید حسین

سید مرتضیٰ حسن
سید حیدر حسن
سید ہدایت حسن
سید ابوالحسن
سید اولاد حسین
میر نوازش حسین
منشی سید الطاف حسین
سید اشفاق حسین
سید ساجد حسین
سید محمد احمد
سید حسن احمد
سید حسین احمد

سید مختار احمد
سید امیر الحسن
سید ریاض الحسن
سید عماد الحسن
سید غلام امام
سید مشتاق حسین
سید امداد حسین
سید غلام باقر
سید غلام ثامن
سید آل احمد
سید اقبال احمد
سید انوار احمد

نسب نامہ خاندان میر روشن علی حیدری جائس
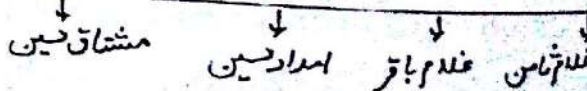
بابِ چہارم

یادِ رفتگاں

میر روشن علی حیدری

محلہ تمبانہ (ہاشمی) میں سادات نقوی (سبزواری) کے ایک بڑے با اثر ذی علم اور معزّز بزرگ تھے۔ ان کے والد گرامی کا نام سید محمد نجیب اور جد کا نام سید خان جہاں تھا۔ سید محمد نجیب کی وفات ۱۱۴۶ ہجری مطابق ۱۷۳۳ عیسوی میں ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا سورج ڈوب رہا تھا اور دلّی میں محمد شاہ رنگیلے کی حکومت تھی۔ محمد نجیب کا زمانہ وہ تھا جب دلّی کے کمزور سلطان کی طرف سے اودھ میں نواب سعادت خاں برہان الملک گورنر تھے۔ سید روشن علی کے جدا مجد سید خاں جہاں حکومت وقت میں بڑے ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ سید خاں جہاں حضرت امام علی رضا علیہ اسلام کے مزارِ اقدس کی زیارت کی غرض سے مشہدِ مقدس (ایران) تشریف لے گئے تھے۔ امام رضاؑ کے مزار کے خدام کو ایک غیبی آواز سنائی دی کہ "دیکھو میرا فرزند میری زیارت کے لئے آیا ہے جاکر اس کا استقبال کرو اور یہاں لے آؤ"۔ اس واقعہ کے بعد سے سید خاں جہاں نے اپنے آپ کو "نقوی" لکھنے کے بجائے "رضوی" لکھنا شروع کیا اور ان کے بعد ان کی اولاد بھی اپنے جد کی تاسّی میں نام کے آگے رضوی لکھنے لگی۔ جائس میں جو سادات اپنے کو رضوی لکھتے ہیں وہ انھیں کے نسبی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میر روشن علی حیدری کے والد بزرگوار سید محمد نجیب کے ایک بھائی سید شاہ محمد لاولد تھے۔ دوسرے بھائی سید معروف کی اولاد

ہیں سید محمد علی نواب سراج الدولہ کے عہد حکومت میں بنگال چلے گئے تھے ان کی نسل کے بارے میں کوئی پتہ نہیں۔ تیسرے بھائی سید امیچے کی اولاد کی ایک بڑی شاخ نصیرآباد میں ہے جو میر فدا حسین (نمبردار) کا خاندان کہلاتا ہے۔ جس میں سید نثار حسین عرف میاں جان سید رحمت علی عرف میاں محمد اور التفات حسین کا خاندان شامل ہے۔ اس بارے میں سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ میر روشن علی کے خاندان اور ان کے ابن عم سے اس نصیرآبادی خاندان کے درمیان برابر شادیاں ہوتی رہیں اور یہ دونوں خاندان رشتے میں ایک دوسرے سے تانے بانے کی طرح جڑے ہیں۔ دونوں خاندان کے افراد ایک ہی جد (سید خاں جہاں) سے تعلق رکھتے ہیں۔

میر روشن علی حیدری اپنے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ اپنی دلیری اور بہادری کے لئے بھی مشہور رہیں۔ ان کی شادی محلہ غوریانہ میں شیخ عبدالرؤف کی دختر بی بی ضامنی کے ساتھ ہوئی تھی۔ محلہ غوریانہ میں ان کی سسرال کے مکان کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ بی بی ضامنی بنت شیخ عبدالرؤف کا انتقال ۱۱۹۸ مطابق ۱۷۷۸ عیسوی میں ہوا۔ جائس میں شیعہ فرقہ کی اس وقت کوئی علیحدہ جامع مسجد نہ تھی دونوں جماعت کے لوگ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ کسی بات پر شیعہ اور سنیوں کے مابین تنازعہ واقع ہوا دونوں طرف کے لوگ اسلحوں کے ساتھ صف آرا ہو گئے یہ دیکھ کر میر روشن علی حیدری نے شیعوں کو سمجھا بجھا کر محلہ میں روک دیا اور خود تن تنہا مسجد میں سنیوں کے درمیان بات چیت کرنے چلے گئے اور اپنی باتوں سے ان لوگوں کے بھڑکے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کیا اور مسلمانوں کو خون ریزی سے بچالیا تب سے انکا لقب "حیدری" ہوگیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے میر روشن علی کے چچا کے خاندان سے سید محمد علی بنگال چلے گئے تھے ان کی دیکھا دیکھی میر روشن علی کے دو بیٹے سید رعایت علی اور سید غلام علی بھی یکے بعد دیگرے تلاش معاش میں بنگال پہونچ گئے اور ضلع بیربھوم میں قیام پذیر ہوئے بنگالی مسلمانوں کو اپنا مرید بنایا۔ اور خود پیر بن کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کی نسل کے لوگ اب بھی بیربھوم (بنگال) میں موجود ہیں۔ روشن علی حیدری کی صرف ایک بہن تھیں بی بی ہیلن جو محلہ تمبانہ (ہاشمی) کی ایک مقتدر فرد سید محمد عطا کو بیاہی تھیں۔ میر محمد عطا کے خاندان کے لوگ "پتھر کی حویلی" میں رہتے ہیں۔ میر روشن علی حیدری اور میر محمد عطا کے خاندان میں برابر شادیاں اور رشتہ داریاں ہوتی رہیں۔

میر روشن علی حیدری کے چار بیٹوں میں دو بیربھوم (بنگال) چلے گئے تھے دو

بیٹے یعنی میر فتح علی اور میر عنایت علی جائس میں مقیم رہے ۔ ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر آگے کے صفحات میں ہوگا ۔ حیدری کی بیٹی امام باندی محلہ زیر مسجد میں میر قلندر علی کو بیاہی تھیں ۔

میر روشن علی شاعر بھی تھے ان کے مرثیہ کا ایک بند ذیل میں پیش ہے ۔

" القصہ گیا مرنے کو جب وہ شہ ابرار ۔ خالق سے لگا کہنے یہ زیر دم تلوار
اُمت یہ ہماری نہ ہو دکھ حشر میں غفار ۔ ہونا ہو سو ہو ان کے عوض یہ بھی ہمیں بار
خنجر سے یہ کہتا تھا کہ اے خنجر خوں خوار ۔ اب تاب نہیں ہے جو سہوں فرقت دلدار
جلدی سے گلا کاٹ لے اس دوست کا اے یار ۔ ہے وعدۂ دیدار دم باز پسیں پر "

میر روشن علی حیدری کی وفات ۱۱۷۹ ہجری / ۱۷۶۷ عیسوی میں ہوئی ۔ اس وقت اودھ میں نواب شجاع الدولہ کی حکومت تھی ۔ امام باڑہ بڑا دروازہ کے متولی اس وقت سیادت مآب سید مظفر علی بن سید محمد وارث تھے ۔ میر روشن علی کی والدہ معظمہ بی بی پھوندا محلہ سیدانہ کے سید قاسم کی دختر تھیں ۔ انھیں کے نام سے قاسم پور گاؤں آباد ہوا ہے ۔

سید عنایت علی رضوی

میر روشن علی حیدر رضا کے منجھلے بیٹے سید عنایت علی کی اولاد اس وقت محلہ ہاشمی میں موجود ہے ۔ ان کے دو بھائی سید رعایت علی اور سید غلام علی بیر بعوم کو ہجرت کر چکے تھے تیسرے بھائی سید فتح علی کی اولاد دو لیشتوں کے بعد ختم ہو گئی ۔ میر عنایت علی بڑے خوش تدبیر انسان تھے ۔ میر روشن علی کی وسیع و عریض حویلی دو بھائیوں میں بٹ گئی تھی ۔ عنایت علی کے مکان کے آثار اب بھی موجود ہیں لیکن میر فتح علی کی حویلی سو برس کے اندر ہی گر کر زمین دوز ہو گئی ۔ عنایت علی نے جائس کے مشرقی حصے میں تالاب لکھر بیا کے کنارے بہت بڑا باغ لگوایا جسمیں اپنے خاندان کے لئے نیا قبرستان بھی بنوایا ۔ ان کے بزرگوں کا قدیم مقبرہ سید مٹھا کے مقبرے کے نام سے حکیم شہید بیر اب بھی ہے ۔ مقبرہ باغ میں میر عنایت علی نے آم ، جامن مہوہ اور دوسرے کئی پھلوں کے درخت خود اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے ۔ اس وقت کے سارے درختان ختم ہو چکے ہیں ۔ اب اس باغ میں صرف بیر کے درخت ہیں ۔ میر عنایت علی کو نواب اودھ

کی طرف سے گزارہ کے لئے نانکار بھی عطا ہوئی تھی۔ ان کے زمانے میں امام باڑہ بڑا دروازہ کے متولی میر انصاف علی تھے جو سیادت مآب سید مظفر علی متولی کے بیٹے تھے اور میر عنایت علی سے بڑے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔

میر عنایت علی کے بڑے بیٹے سید ہدایت علی بڑی نوعمری میں ۱۱۵۵ ہجری مطابق ۱۷۲۷ء میں انتقال کر گئے۔ دوسرے صاحب زادے سید غلام امام حیدری سے نسل چلی اور برقرار رہی۔ جائس میں ان کا خاندان "خاندانِ حیدری" کے نام سے مشہور ہے۔

میر عنایت علی کی ایک دختر بی بی خیر النساء اپنے برادر عم زاد منشی غلام رضا ابن میر فتح علی کو بیاہی تھیں۔ ان سے صرف ایک بیٹی ہوئی جس کا نام کنیز زہرا تھا اور وہ میر احسان علی سے بیاہی گئی۔ منشی غلام رضا کے حالات کے تحت اسی رشتہ پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

میر عنایت علی کی دوسری بیٹی بی بی لبساون محلہ ہاشمی کی ایک بڑی مقتدر فرد میر نجات علی کو بیاہی تھیں۔ میر نجات علی خاندان سید ارشد سے تعلق رکھتے تھے۔ خان بہادر سید محمد، ڈپٹی غلام حیدر اور میر محمد حسین بیشکار، میر نجات علی کے خاندان کے افراد تھے۔

میر عنایت علی کی وفات ۱۲۲۵ ہجری مطابق ۱۸۱۲ عیسوی میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنؤ میں مولوی سید دلدار علی غفران مآب نواب آصف الدولہ کے عہد حکومت میں شیعوں کی نماز جمعہ و جماعت علحدہ کر چکے تھے۔ انھیں نواب زین العابدین خان بہادر کی سرکار سے چھ آنہ یومیہ وظیفہ در وجہ معاش جمادی الاول ۱۲۰۲ ہجری سے ملتا تھا۔

مولوی میر فتح علی رضوی

میر روشن علی حیدری کے چھوٹے صاحبزادے مولوی منش اور زہد و تقویٰ والے انسان تھے۔ ان کی حویلی اس مقام پر تھی جہاں اب مولوی کلب احمد مانی جائسی کی حویلی بن گئی ہے۔ اسی حویلی کے دیوان خانے کی جگہ میر الطاف حسین کا مکان بن گیا ہے۔ مولوی فتح علی کی ایک دختر اور تین صاحب زادے تھے۔ دختر بی بی رحمہ کی شادی انھوں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی میر محمد حیات کے بیٹے میر سردار علی کے ساتھ کی جن سے دو بیٹے احسان علی اور سرفراز علی تھے۔

میر فتح علی کے بڑے صاحب زادے منشی غلام حسین انتہائی نیک پاکباز اور متقی انسان تھے۔ قابلیت اور علم دانی میں بہت آگے تھے۔ اردو فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل تھی۔ بڑے خوش خط اور باسلیقہ تھے۔ نواب اودھ نے اپنے شہزادے نواب شمس الدولہ بہادر کی اتالیقی کے لئے منشی غلام حسن کو صرف ان کی درخواست کی خوش خط تحریر کو دیکھ کر مقرر کر لیا۔ یہ تاحیات نواب موصوف کے ساتھ رہے اور جب نواب شمس الدولہ لکھنؤ چھوڑ کر بنارس و مرزاپور کے لئے جلا وطن ہو گئے تو یہ بھی ان کے ساتھ گئے۔ منشی غلام حسن کی صرف ایک بیٹی تھی جس کا نام کنیز فاطمہ تھا اور وہ میر سردار علی کے بیٹے سرفراز علی کے ساتھ منسوب ہوئیں۔ منشی غلام حسن نے اپنی بیٹی کے لئے ایک عالی شان حویلی محلہ تمبانہ میں تعمیر کرائی تھی۔ جس کے لئے بنارس و مرزاپور سے پتھر آئے تھے۔ اس حویلی کا نام "پتھر کی حویلی" ہے۔ منشی غلام حسن کے پاس شاہ اودھ کا عطا کیا ہوا ایک حقہ تھا جس کی فرشی سونے کی تھی۔ کہتے ہیں ایام غدر میں جب پتھر کی حویلی پر بلوائیوں نے چڑھائی کی تو یہ حقہ بھی لٹ گیا۔ منشی غلام حسن نے ایک باغ آم اور مہوے کا برگدی تالاب کے پاس لگوایا تھا۔ اس باغ کا نام "حسن باغ" ہے جو میر سرفراز علی و احسان علی کے خاندان کا مقبرہ بھی ہے۔

منشی غلام حسن اور ان کے والد ماجد مولوی فتح علی دونوں نے ایک ہی سال اور ایک ہی مہینے میں انتقال کیا۔ منشی غلام حسین نے فارسی میں ان دونوں کی تاریخ رحلت کو نظم کیا ہے۔

"تاریخ رحلت سید فتح علی و سید غلام حسن مرحومین کہ پدر و پسر بیک سال و ماہ انتقال نمودند"

چو فتح علی و غلام حسن شد سوئے دار عقبیٰ بیک سال و ماہے
بہر ضواں پئے سال آن ہر دو مرحوم گفتند بنگر لوحید و سرورے
بفردوس مسکن نمودہ چہ با ہم بیک جائے زیبائے برنا و پیرے
۱۲۳۹ ہجری۔

مولوی فتح علی کی تاریخ وفات ایک دوسرے قطعہ میں انھوں نے اس طرح نظم کیا ہے۔

کوس رحلت چو نہ دانہ دار فنا - سید فتح علیؒ مومن پاک

خلفِ اور متخلص شایق ۔ جست تاریخ وفاتش غمناک
گفت رضواں کہ چہ جوئے سالش ۔ بادلِ خستہ و سینۂ چاک
گفتمش دامن زہرا برگیر ۔ "ادخلی الجنۃ وہی الماواک" (۱۲۳۹ھ)

مندرجہ بالا قطعات تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ میر فتح علی اوران کے بڑے فرزند منشی غلام حسن دونوں نے ۱۲۳۹ ہجری مطابق ۱۸۲۶ عیسوی میں انتقال کیا اور مقبرۂ حسن باغ میں مدفون ہوئے ۔

مولوی میر فتح علی علم وفضل میں یکتا تھے ۔ اپنے تینوں بیٹوں یعنی غلام حسن، غلام حسین اور غلام رضا کو خود انھوں نے زیورِ علم سے آراستہ کیا ۔ تینوں بھائی اپنے اپنے تعلیمی استعداد کی بدولت بہت مشہور ونامور ہوئے اور اقتدار دنیا حاصل کیا ۔ منشی غلام حسین اور منشی غلام رضا کے حالات و واقعات آئندہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں ۔ منشی غلام حسن کے حالات ان کے پدر میر فتح علی کے ساتھ ہی لکھے گئے ہیں ۔ چونکہ منشی غلام حسن کی ایک ہی بیٹی تھی جو میر سرفراز علی کو بیاہی تھی اس لیے منشی غلام حسن کے انتقال کے بعد اُن کی جائیداد کی تنہا مالک وہی بیٹی ہوئی اپنے باپ کی وراثت میں اُسے "حسن باغ کے ساتھ" پتھر کی حویلی' بھی ملی ۔ اُن کی اس بیٹی سے صرف ایک ہی بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام امتہ الفاطمہ تھا اور وہ اپنے چچا زاد بھائی میر پناہ علی کو بیاہی گئی اس لڑکی سے بھی صرف ایک ہی بیٹی ہوئی امتہ الزہرا اور وہ میر باقر علی سے منسوب ہوئی ۔

اس طرح منشی غلام حسن کی کل جائداد میر باقر علی اور انکی اولاد کو ملی ۔ منشی غلام حسن کے دو چھوٹے بھائی غلام حسین اور غلام رضا کی جائداد میر احسان علی اور میر سرفراز علی کے خاندان میں کسطرح منتقل ہوئی اس کا ذکر آگے کے صفحات میں ہوگا ۔

ہیں لوگ سخن فہم وسخن ور باقی
گوہر کی قدر جوہری سے پوچھو

کچھ بیش بہا ہیں ابھی گوہر باقی
جائس میں ابھی ہیں اہل جوہر باقی
(علامہ شفق عمادپوری)

منشی غلام حسین (خان بہادر)

آپ کے والد کا نام سید میر فتح علی اور جد کا نام میر روشن علی حیدری تھا جو جائس کی ایک مشہور و معروف شخصیت تھی۔ منشی غلام حسین نے اپنی علمی لیاقت، تدبر اور سیاسی دانشوری کی بدولت اودھ میں انگریز ریزیڈنٹ کے یہاں منصب اعلیٰ حاصل کیا۔ ان کے بڑے بھائی منشی غلام حسن اودھ کے نواب غازی الدین حیدر کے بھائی نواب شمس الدولہ کے اتالیق تھے۔ منشی غلام حسین بڑی سوجھ بوجھ والے خوش تدبیر انسان تھے۔ اس لئے انھیں اپنی لیاقت فراست اور علم دانی کے جوہر دکھانے کا موقع اس وقت ملا جب ایک انگریز تاجر مسٹر الیگزنڈر کی سفارش پر اودھ کے ریزیڈنٹ مسٹر ریکٹس نے انھیں اپنا میر منشی مقرر کیا۔ منشی غلام حسین رضوی سے پہلے اسی عہدے پر جائس کے مولوی عبدالقادر خاں بھی کام کر چکے تھے۔ منشی غلام حسین نے اپنی خوش انتظامی اور سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ دانشمندی اور ڈپلومیسی کی بدولت معاملات ملکی میں بڑا دخل حاصل کیا۔ بادشاہ اودھ نواب نصیر الدین حیدر کے لئے انگلینڈ کے بادشاہ نے بڑے قیمتی تحائف بھیجے تھے۔ ایک جواہر نگار تاج ایک ولایتی گھوڑا مع زین طلائی متعدد بہتر وقیں، کئی گھڑیاں مع زنجیر جواہر نگار جن کی مالیت کئی لاکھ روپے تھی۔ یہ سارا سامان منشی غلام حسین ایک نقرئی کشتی میں رکھ کر شاہی فرمان کے ساتھ نواب نصیر الدین حیدر کی خدمت میں لے گئے۔ ارکان دولت نے نذر گذاری اور توپوں کی سلامی ہوئی۔ ریزیڈنٹ نے تاج اپنے ہاتھ سے مجتہد العصر سلطان العلماء سید محمد صاحب قبلہ نے دوسرا ہاتھ لگا کر زیب فرق کیا۔

بادشاہ نصیر الدین حیدر معتمد الدولہ وزیر کے اختیارات بڑھ جانے سے سخت ناراض تھے۔ اور ان کو قید کرنا چاہتے تھے اس لئے انگریز ریزیڈنٹ کو بلا کر اس سے کہا کہ وہ معتمد الدولہ کو کسی حیلے سے بلا کر قید کرے۔ ریزیڈنٹ نے میر منشی غلام حسین کو پہلے فقیر محمد خاں رسالدار کے پاس بھیجا انھوں نے فقیر محمد کو متنبہ کیا کہ ہم معتمد الدولہ کو قید کرنے جا رہے ہیں لیکن خبردار اگر تمہارے کسی سوار نے مزاحمت کی تو مجرم سرکاری ہو گے۔ فقیر محمد خاں اس وقت مرغ بازی دیکھ رہے تھے چپکے سے گھر میں بیٹھ رہے۔ اس واقعہ کو خود فقیر محمد خاں نے اپنی کتاب "بستان حکمت" میں اس طرح لکھا ہے۔

"جب منشی غلام حسین نے ریزیڈنٹ کا حکم سنایا تو بندے نے گزارش کی کہ اگر مسٹر ریکٹس صاحب

ہماری کفالت کریں اور ہمارے عزیز و اقرباکو اپنی سرکار کی حمایت میں لیں تو جو حکم ہوا اُسے ہم بسر و چشم بجا لائیں گے ۔منشی غلام حسین چونکہ از خود اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے اس لئے پھر گئے اور جواب لائے کہ ریکٹیس صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہارا کہنا قبول کیا اور ہم تم کو اپنی حمایت میں لیتے ہیں کس طرح کا گزند تمہیں اور تمہارے اقرباکو نہ پہونچے گا مگر تم زتہار شریک معتمد الدولہ کے نہ ہونا ۔"

ریکٹیس صاحب کی جگہ جب کرنل ابراہم لاکٹ بھرت پور سے آکر قائم مقام ہوئے تو انھوں نے جب ریزیڈنسی کے حسابات دیکھے تو لاکھوں کا غبن ریکٹیس صاحب کے ذمہ ثابت ہوا وہ تو واپس انگلینڈ جا چکے تھے چنانچہ میر منشی سید غلام حسین جو بعد حصول رخصت اپنے وطن جائس چلے گئے تھے ۔کرنل لاکٹ نے اُنھیں بعض امور کی تحقیقات کے لئے گھر سے بلوایا۔ راجہ بختاور سنگھ ایک رسالدار اور کچھ سپاہی لیکر جائس پہونچے تو حالت اضطراب میں معلوم نہیں کس اظہار کا خوف ان پر غالب ہوا کہ اپنے کو پستول مار کر خودکشی کرلی اور ریکٹیس صاحب کے غبن کی پردہ داری ما دہ گئی ۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے دو غلام عبداللہ اور عبدالحسین جنھیں وہ مثل اپنی اولاد کے سمجھتے تھے اُن دونوں نے بھی اپنے آپ کو ہلاک کیا۔تینوں کی قبریں مقبرہ منشی غلام حسین میں ایک ہی جگہ پر ہیں ۔

منشی غلام حسین نے شادی نہیں کی تھی وہ اپنی دختر عم بی بی خیر النساء بنت سید عنایت علی کے ساتھ منسوب تھے عین شادی کے دن تک جب وہ جائس نہ پہونچ پائے تو ان کے چچا میر عنایت علی نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے پھوپھی زاد بھائی میر محمد حیات کے بیٹے سید مہربان علی کے ساتھ طے کر دی اور برادری میں عقد کا اعلان کر دیا اس خبر کو سُن کر منشی غلام حسین کے والد میر فتح علی اپنے بھائی عنایت علی کے پاس آئے اور کہا" بھائی جان اگر غلام حسین کسی سبب سے نہیں آسکا تو اسکا چھوٹا بھائی غلام رضا موجود ہے آپ اس کے ساتھ خیرالنساء کا عقد کر دیں "۔

میر عنایت علی نے بھائی کی بات مان لی اور اُسی شب میں انھوں نے اپنی بیٹی کا عقد بھتیجے غلام رضا کے ساتھ کر دیا ۔ اس شادی نے دو افراد کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب بپا کیا کہ دونوں نے تاحیات شادی نہ کی ۔ میر مہربان علی اور منشی غلام حسین زندگی بھر کنوارے رہے۔

منشی غلام حسین نے جائس میں کئی عمارتیں تعمیر کرائیں " رنگ محل" کے نام سے ایک عالیشان کوٹھی امام باڑہ بڑا دروازہ کے قریب وسط محلہ میں تمبانہ میں بنوائی ۔ یہ کوٹھی گر کر زمیں دوز ہو

چکی ہے ۔ اور سو برس بھی قائم نہ رہ پائی ۔ ۱۹۳۰ء میں مولوی سید کلب عباس نے جب محلہ کردانہ میں اپنے بیٹے قمر عباس کے نام سے ایک کوٹھی بنوائی تو اس میں "رنگ محل" کی اینٹیں لگوائیں۔ منشی جی کی ایک کوٹھی شہر کلکتہ میں تھی ان کے انتقال کے بعد چھوٹے بھائی غلام رضا نے وہ کوٹھی بیچ کر اسی روپیے سے ایک بڑی مسجد محلہ تمبانہ میں منشی غلام حسین کے نام سے بنوادی۔ یہ مسجد جائس کے شیعوں کی مسجد جامع ہے ۔ منشی جی نے اپنی زندگی میں بھی ایک مسجد بنوائی تھی جس کی تعمیر پر یہ قطعہ کہا۔

"تاریخ مسجد دیگر سید غلام حسین خان بہادر"

سید خانِ بہادر دہ چہ عالی مرتبت — زائر عتبات عالیات و فرد با خدا
آنکہ مثل نام خود نقش غلامیٔ حسینؑ — بر سر لوح جبیں دارد اصد صدق و صفا
خائف و لرزاں ز عصیاں ہائے واز فضل و کرم — مغفرت خواہاں بوقت نزع و ہم روز جزا
مسجد نو ساخت چوں بہر ثواب آخرت — ساکنانِ آسماں گفتند بر وے مرحبا
گفت تاریخش با براہیم جبریل امیں — کعبہ و بیت المقدس ہیں بہ جائس شد بنا

منشی جی نے مسجدوں کے علاوہ متعدد کنوئیں، تالاب، باغات اور بازار بھی اپنے نام سے بنوائے انکے غلام عبداللہ اور عبدالحسین نے بھی جائس میں کنوین بنوائے جن کے لئے قطعات تاریخ منشی غلام حسین شائق نے اپنے دیوان میں نقل کئے ہیں ۔ وہ زبان فارسی کے بڑے اونچے شاعر تھے ۔ دو قلمی دیوان، ایک غزلیات و قصائد کا اور دوسرا مثنویات کا راقم الحروف کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے مگر بڑی حد تک خستہ و کرم خوردہ ۔ غزل کے چند اشعار ذیل میں پیش ہیں ۔

کاکل مشکین عنبر سا ۔ زلف سیاہش سنبل زا
در خم و پیچ و تاب خود ۔ بردہ دل من وا ویلا
رخ چو نمود آں مہ سیما ۔ شور قیامت شد برپا

منشی غلام حسین کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، سامرہ، مشہد مقدس و خراسان وغیرہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ۔ خطاب "خان بہادر" انگریزوں سے ملا تھا ۔ اردو کے مشہور شاعر مرزا جاں تپش منشی جی کے ہم عصر اور دوستوں میں تھے ۔
نجم الغنی رام پوری نے "تاریخ اودھ" میں خود منشی غلام حسین کو لکھنؤ ریزیڈنسی کے حسابات میں غبن کا حصہ دار بتایا ہے لیکن کمال الدین حسینی نے اپنی تاریخ "سوانح سلاطین اودھ"

جلد اوّل میں منشی غلام حسین کی خودکشی کی وجہ کو ریکٹس صاحب ریزیڈنٹ اودھ کے خیانت کی پردہ داری بتایا ہے - یہ خیال اس لئے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ نئے ریزیڈنٹ مسٹر ابراہام لاکٹ کے ورود لکھنؤ کے موقع پر منشی غلام حسین نے موصوف کی مدح میں جو قصیدہ فارسی میں لکھا تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ مسٹر لاکٹ منشی غلام حسین پر بڑے مہربان تھے اور خود منشی جی بھی اپنے حاکم سے خوش تھے -

مژدہ اے دل کہ کنوں وقت بہاراں آمد - بلبل خوش نفسے سوئے گلستان آمد
آں مسیحا نفسے کز دم کرمش یکسر جانِ تازہ بہ دل عنصر و ارکان آمد
صاحب عز و شرف عالم معنی و سخن معدن علم و ادب مخزن عرفان آمد
یعنی آں مسٹر لاکٹ کہ بود باب عدم بہر ہر اہل ہنر و علم ہنرداں آمد
دیدہ ہر لطف و عیش نہ ہمیں خاص مراست چشم امید جہانست کہ حیراں آمد
مشتاقیش را چہ بود غم کہ بہ پیشش اینک خضر آسا لب چشمۂ حیواں آمد

منشی سیّد غلام رضا

میر فتح علی کے سب سے چھوٹے فرزند اپنے بڑے بھائی منشی غلام حسن اور منشی غلام حسین کی طرح زیور علم و حلم سے آراستہ تھے۔ منشی غلام حسین اودھ میں انگریز ریزیڈینٹ کے میر منشی (سکریٹری) تھے۔ اس تعلق سے وہ بھی انگریزی فوج میں منشی کا عہدہ حاصل کر سکے اپنی ملازمت میں وہ زیادہ تر منڈیاؤں چھاونی میں مقیم رہے۔ غلام رضا بڑے کنبہ پرور اور خاندانی جذبہ والے انسان تھے اپنے چچا زاد بھائی سید غلام امام بن میر عنایت علی سے بڑی محبت و شفقت رکھتے تھے۔ انگریزی حکومت میں بڑا رسوخ رکھتے تھے اس لئے اپنے چچا زاد بھائی کے بیٹوں یعنی سید محمد حسن اور سید حسین کو فوج میں منشی کے عہدے پر ملازمت دلوائی تھی ان کے علاوہ اپنے دوسرے قریبی اعزا کو بھی سرکاری ملازمت دلوائی تھی۔

منشی غلام رضا کے دونوں بڑے بھائی یعنی منشی غلام حسن اور منشی غلام حسین کی نسل پہلے ہی منقطع ہو چکی ہے افسوس کہ منشی غلام رضا اگرچہ ایک سے زاید شادی کرنے کے بعد کثیر العیالی بھی تھے لیکن بہت جلد ان کے تین بیٹوں کے بعد ان کی نسل بھی ختم ہو گئی۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے منشی غلام مہدی کو راقم نے دیکھا ہے وہ سنہ ۱۹۴۰ء میں فوت ہوئے۔

غلام رضا کی شادی جیسا کہ منشی غلام حسین کے حالات کے تحت لکھا گیا ہے ان کے چچا کی بیٹی بی بی خیر النساء کے ساتھ ہوئی تھی۔ بی بی خیرن سے ان کی صرف دو بیٹیاں ہوئیں پہلی کنیز زہرا جو میر احسان علی کے ساتھ بیاہی گئی اور دوسری امتہ الزہرا جس کا عقد مولوی غلام حسین لکھنوی کے ساتھ ہوا۔ بی بی امتہ الزہرا مولوی سید سبط حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر جونپوری کی نانی تھیں۔ منشی غلام رضا نے اپنے دوران ملازمت میں ایک شادی چھاونی منڈیاؤں میں کی تھی۔ اس سے منشی غلام رضا کے کئی بیٹے بیٹیاں ہوئیں۔ سلیمہ بیگم عرف جعفری بیگم ڈپٹی غلام حیدر سے منسوب ہوئیں۔ دوسری بیٹی حسینی بیگم میر علی حیدر نصیرآبادی کو بیاہی گئی۔ اور تیسری کربلائی بیگم میر عون علی کی زوجہ تھیں۔ اسی عورت سے تین بیٹے بھی تھے۔ منشی کلب حسین، منشی کلب حسن بلیغ اور منشی غلام مہدی

ان بھائیوں کے حالات آگے علیحدہ صفحات پر پیش ہوں گے۔ بیٹیوں میں بی بی سلیمہ عرف جعفری بیگم بڑی قسمت والی اور اقبالمند عورت تھی۔ ایک بیٹا سید احمد حسین (سب جج) اور دوسرا اسید وجاہت حسین (منصف) تھے۔ جعفری بیگم کی چھ بیٹیاں تھیں۔ امجدی بیگم میر بشارت حسین کو، طیبہ خاتون میر صفدر حسین کو، فاخرہ بیگم میر اشارت حسین کو، اصغری بیگم میر علی عباس کو اور بلقیس بیگم سید امیر احمد کے ساتھ بیاہی گئیں۔ سب سے چھوٹی اسعدی بیگم ناکتخدا فوت ہوئی۔ اس کی یاد میں محلہ تمبانہ کے شمالی سرے پر ایک پختہ سیڑھیوں والا پل اور گھوگھرہ بنوایا۔

جعفری بیگم نے اپنے باپ منشی غلام رضا کے لئے ایک پختہ دومنزلہ مکان "باب رضا" کے نام سے امام باڑہ بڑا دروازہ محلہ تمبانہ کے پاس بنوایا جہاں وہ محرم کے ایام میں قیام کرتی تھیں۔ اس مکان کی تعمیر پر علی میاں کامل نے جو قطعہ تاریخ نظم کیا تھا وہ سنگ مرمر پر لکھا ہوا دہلیز مکان میں نصب ہے۔

منشی غلام حسن کے حالات کے سلسلہ میں پہلے لکھا گیا ہے کہ موصوف کی کل جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ان کی اکلوتی بیٹی کنیز فاطمہ کو وراثتاً ملی یہ بیٹی میر سرفراز علی کو بیاہی تھی۔ منشی غلام حسین لاولد فوت ہوئے مگر بے اندازہ دولت وجائداد چھوڑ گئے جو سب کی سب ان کے چھوٹے بھائی غلام رضا کو منتقل ہوئی۔ غلام رضا کے انتقال کے بعد ان کی اور منشی غلام حسین دونوں کی جائیداد غلام رضا کی بیٹی کنیز زہرا کے قبضہ میں چلی گئی۔ ویسے غلام رضا نے تین بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑی تھیں جو منڈیاؤں والی عورت کے بطن سے تھے۔ غلام رضا کے تینوں بیٹے یعنی کلب حسین، کلب حسن اور غلام مہدی اس قابل نہ تھے کہ باپ کی جائیداد پر اپنا حق تصرف دکھا سکتے یا اسے حاصل کرنے کی جد وجہد کرتے تینوں تن بہ تقدیر بیٹھے رہے۔ اور کل جائیداد کی مالک (کنیز زہرا) بہن ہوگئی۔ عام طور پر دستور یہ ہے کہ بہنیں اپنے بھائیوں سے باپ کی جائیداد میں حصہ کی طلب گار نہیں ہوتیں لیکن ان بھائیوں کی بے عملی اور بے تعلقی نیز باپ کی کل جائداد ایک ہی بہن کے قبضہ میں جاتا دیکھ کر غلام رضا کی سب سے زیادہ خوش تدبیر اور اقبال مند بیٹی جعفری بیگم نے اپنے اور اپنے بھائیوں کے حق کے لئے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جعفری بیگم کے شوہر ڈپٹی غلام حیدر نے ان کی حق طلبی کا ساتھ دیکر عدالت میں بٹوارہ کے لئے مقدمہ دائر کر دیا۔ میر پناہ علی، میر مراد علی وغیرہ سے بڑی مقدمہ بازی ہوئی۔ بالآخر جائیداد کا بٹوارہ ہوا۔ اور جعفری بیگم نے باپ کی جائیداد میں سے اپنا اور اپنے بھائیوں کا حصہ بٹوا لیا۔ میر فتح علی کی کوٹھی والی زمین

میر مراد علی و پناہ علی و نوروز علی وغیرہ کو ملی اُن کے دیوان خانے والا مکان منشی کلب حسن اور منشی غلام مہدی کو ملا۔ منشی غلام حسین کی پھلواری، رنگ محل کی زمین اور ان کا مقبرہ والا باغ نیز دیگر بہت سی آراضیاں پتھر کی حویلی والوں کے حصے میں گئیں۔ پختہ تالاب اور دوسرے مکان جعفری بیگم نے پایا۔ منشی کلب حسن، غلام مہدی اور جعفری بیگم نے اپنے حصے کے مکانات اور زمین اپنے خاندانی رشتہ دار سید اولاد حسین و سید نوازش حسین کے ہاتھ بیع کر دیا۔ چنانچہ الطاف حسین کا مکان اور میر عماد الحسن کا مکان انھیں کی زمین پر بنے ہیں۔

اس سلسلہ میں مجملاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ منشی غلام حسن کی جائداد پہلے ہی میر سرفراز علی کی طرف منتقل ہو چکی تھی۔ منشی غلام حسین اور منشی غلام رضا کی جائیداد بھی میر احسان علی کو مل گئی۔ جعفری بیگم مقدمہ کر کے کچھ حاصل کر سکیں اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد اُن کی اولاد نے تلف و ضائع کر دیا۔ اللہ باقی من کل فانی۔

یادرفتگاں

منشی کلب حسن و کلب حسین

منشی غلام رضا نے انگریزی فوج میں ملازمت کے دوران ایک شادی منڈیاؤں میں کی تھی اس عورت سے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئی تھیں۔ کلب حسن، کلب حسین اور چھوٹے کا نام غلام مہدی تھا۔

کلب حسین کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں۔ ان کی صرف دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام حسین باندی تھا جو لاولد فوت ہوئی دوسری بیٹی المتہ العالیہ تھی جو میر عون علی کو بیاہی گئی۔ اس سے قبل اس لڑکی کی پھوپھی یعنی منشی غلام رضا کی بیٹی کربلائی بیگم بھی میر عون علی سے منسوب ہو چکی تھی لیکن دونوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

منشی کلب حسن انتہائی مہذب اور ایک علم پرور خاندان سے تعلق رکھنے کی بنا پر بڑی عالمانہ استعداد رکھتے تھے۔ بڑے اچھے شاعر تھے۔ اور اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے تخلص آپ کا بلیغ تھا۔ افسوس کہ آپ کا تمام تر شاعرانہ تخلیق اور ادبی اثاثہ جو آپ کے چھوٹے بھائی غلام مہدی کے پاس تھا وہ اُن کے انتقال کے بعد نا اہلوں اور بد دیانتوں کے ہاتھوں پڑ کر تلف و برباد ہو گیا۔ کسی انگریزی دفتر میں ملازم تھے کسی بے بنیاد الزام پر ڈپٹی کمشنر نے ملازمت سے معطل کر دیا اس کی شکایت کلب حسن نے ۱۸۹۶ء میں اپنے برادر نسبتی ڈپٹی غلام حیدر کو ایک منظوم خط لکھ کر کی جو ذیل میں نموتاً پیش ہے۔

منشی کلب حسن کے تین بیٹے ہوئے علی سجاد، محمد جواد اور کلب محسن لیکن یہ تینوں جوان ہونے سے قبل لاولد فوت ہوئے۔ ایک بیٹی نقی باندی نا کتخدا فوت ہوئی۔ دوسری اصغری باندی میر مسکین علی کو بیاہی تھی۔ وہ بھی لاولد مری۔ کلب حسن اور کلب حسین دونوں کی نسل میں اولاد نرینہ باقی نہ رہی اور منقطع ہو گئی۔ ان کے چھوٹے بھائی منشی غلام مہدی کا تذکرہ علحٰدہ صفحات میں آگے ہوگا منشی غلام حسن کے منظوم خط کا اقتباس ذیل میں پیش ہے۔

ہے پایۂ ایوان عرش کس عالی جناب کا　　جلوہ ہے مہر و ماہ میں کس آفتاب کا
ہے ترجمہ کلام خدا کس کتاب کا　　قطرہ ہے جوہر ازلی کس سحاب کا
روشن چراغ ملت حق کس ضیا سے ہے

دین محمدی کی صفا کس جلا سے ہے

وہ کون بادشاہ بلند احتشام ہے ۔ جم جس کا خانہ زاد فریدوں غلام ہے
مجرائی حضور سکندر مدام ہے ۔ دربان خسرو شہ والا مقام ہے
کاؤس جبہ سائے در نور بار ہے
دارا نقیب شاہ جہاں چوبدار ہے

جس آدمی نے منشی غلام حسن کی شکایت ڈپٹی کمشنر سے کر کے انھیں معطل کرایا تھا اس کی ہجو میں جو نظم انھوں نے لکھی وہ پیش ہے ۔

ارے او رام پرشاد بد اطوار ۔ خدا سے ڈر وہ ہے جبار و قہار
نہ کر جور و جفا بر بے گناہاں ۔ نہ ہو ناحق پئے آزار انساں
یہ ہیں سید غلام حیدر خاں ۔ عطارد مرتبت ذیجاہ و ذی شاں
وہ ہے اک لعل اور تو سنگ خارا ۔ تو ہے کانٹا تو وہ ریحان رعنا
تو ہے گربہ وہ ہے شیر غضنفر ۔ تو اک مادہ صفت ہے اور وہ نر
وہ ہے نوشیروان عدل پرور ۔ تو ہے ضحاک ظالم اے بد اختر
بہ مکر و حیلہ و تزویر و افسوں ۔ بہائے بے سبب بسیار ہا خوں

اسی سلسلہ میں بے گناہوں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے

اک ان میں مظہر الطاف و ذیجود ۔ کہ اسمش سید گوہر علی بود
بعلم و حلم و اخلاق و ادب طاق ۔ بہ اشفاق و کرم مشہور آفاق
اک ان میں خندۂ پیشانی خوش خو ۔ یہ ہے فضل حسین نام نیکو
اک ان میں یار باش و صاف و طاہر ۔ کہ نام نر بدا بخش ہے گا ظاہر
ہے اک کلب حسن آفت رسیدہ ۔ کہ ناحق ظلم و جور و جبر دیدہ
سبھی ان میں سے ہیں محروم و محزوں ۔ کیا ان سب کو غرق لجۂ خوں
لکھے تو نے عرائض ہائے گم نام ۔ یہ مضمون شکایت اے بد انجام
کہ ناحق در فریب و جہل و بہتاں ۔ ہوئے اکثر معطل بے گناہاں
حضور حاکم انصاف گستر
جناب عالی ڈپٹی کمشنر

منشی غلام مہدی

منشی غلام رضا کے سب سے چھوٹے بیٹے دبلے پتلے منحنی چھوٹا سا قد راقم نے انھیں منشی جی کی مسجد کے رہائشی حصے میں ایک چھوٹی سی کوٹھری کے اندر اکیلے رہتے دیکھا ہے دو تین مٹکیوں میں چنا گیہوں اور دوسرے اجناس بھنا کر رکھتے تھے اور دونوں وقت وہی کھاتے تھے خاندان کے بچے اس لالچ میں کہ وہ بھنے چنے کھانے کو دیتے ہیں اور مسجد کے باغیچہ میں لگے مختلف خوشبودار پھول توڑ کر دیں گے ہر وقت ان کے پاس پہونچتے رہتے تھے ہم سب انھیں مہدی بابا کہکر پکارتے تھے۔ بڑے اور سمجھ دار لوگ ان سے اس لئے کتراتے تھے کہ وہ وقت بے وقت اپنی شاعری سنانے بیٹھ جاتے تھے مجبوراً وہ ہم بچوں میں جس کو اپنی دانست میں اس لائق سمجھتے کہ وہ شعر سمجھ لے گا اُسے اپنا کلام گھنٹوں سنایا کرتے اور اس کی اُجرت میں دو مٹھیاں چنے اور لائی دیگر رخصت کرتے۔ کہتے ہیں ان کے قبضہ میں کوئی جن تھا۔ جو ان کے ساتھ مسجد میں رہتا تھا۔ اور منشی مہدی کو انواع و اقسام کی چیزیں کھلاتا تھا۔ خاندان کے سب چھوٹے بڑے ان سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے لیکن مہدی بابا کی دلچسپی صرف شاعری سے تھی اور اس سے کسی کو دلچسپی نہ تھی۔ بچپن کے اس شوق نے ان کو زود گوں کے ساتھ ساتھ بسیار گو بھی بنا دیا تھا۔ سنگلاخ بحروں کے علاوہ مشکل ردیف و قوافی میں طبع آزمائی کرنا اپنی علمیت اور شاعرانہ استعداد کے مرادف تصور کرتے تھے۔ چمن کی شاخ، کفن کی شاخ اور تحریر بکری چر گئی۔ تقویر بکری چر گئی وغیرہ نایاب ردیفوں میں بہت سی غزلیں لوگوں کو سناتے لیکن کوئی سننے پر آمادہ نہ ہوتا۔ دو غزلہ اور سہ غزلہ کہنا ضروری سمجھتے ہر غزل میں اکیس ۲۱ اشعار سے کم نہ ہوتے، چار مطلع ضرور نکالتے " اسی ردیف و قافیہ میں پھر لکھو مہدیؔ غزل" کہہ کر دو غزلہ پھر سہ غزل کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتے۔

غزلیات کے چار دیوان اپنی زندگی میں مرتب کر لئے تھے۔ قصائد و قطعات کا ذخیرہ الگ تھا۔ خاندان میں ہر خورد و کلاں کی موت و حیات کی صحیح تاریخ کا ریکارڈ انھیں کے پاس تھا۔ خاندان میر روشن علی حیدری کا شجرۂ نسب موصوف کے ہاتھ کا بنایا ہوا راقم کے پاس موجود ہے۔ بڑے خوش نویس تھے لیکن انتقال سے کچھ عرصہ پہلے دونوں ہاتھوں

انگلیاں کٹھیا یا کسی مرض کی وجہ سے بیکار ہوگئی تھیں ۔ ۱۹۳۴ء میں زلزلہ آیا تو منشی جی کی مسجد کی ایک مینار کا بالائی حصہ مع کلس و گنبد ٹوٹ کر پڑا اور اس طرح گرا کہ مسجد کے رہائشی حصہ میں بلا چھت کا بیت الخلا تھا اس کی دو دیواروں پر ٹوٹا ہوا حصہ آکر ٹک گیا ۔ اس وقت مہدی بابا بیت الخلا میں بیٹھے تھے بچ گئے ایک شاعر نے یہ مصرعہ کہہ کر مادہ تاریخ نکالا

منشی جی کے فرق پر گنبد گرا ۔ صدق جائسی نے سنا تو اس مصرعہ کے آگے "خوب شد" لگا کر موزوں و پر مزاح کر دیا ۔

منشی مہدی نے شروع شروع میں سرکاری ملازمت بھی کی تھی غالباً محکمہ پیمائش (سروے ڈیپارٹمنٹ) یا محکمہ بندوبست میں ملازم ہوئے پتہ نہیں کس سبب سے نوکری چھوڑ دی آبائی جائداد کے بٹوارے پر میر فتح علی کا دیوان خانہ ان کے اور ان کے بھائی کلب حسن و کلب حسین کے حصہ میں آیا ۔ جسے ان لوگوں نے نومبر ۱۸۶۳ عیسوی میں میر اولاد حسین و میر نوازش حسین ابنائے میر سید حسین کے ہاتھوں بعوض دو سو پچاس روپئے بیچ ڈالا ۔ اسی دیوان خانہ کی زمین پر کچھ اور زمین خرید کر میر نوازش حسین نے اپنے بھتیجے سید الطاف حسین کے لئے پختہ دو منزلہ مکان بنوا دیا ۔ پتہ نہیں منشی غلام رضا کی غیر منقولہ جائیداد کا بٹوارہ کس طرح سے ہوا کہ بھائیوں کے حصہ سے زیادہ بہنوں نے پایا اور بھائیوں نے اپنا حصہ بیچ ڈالا ۔ نہ میر فتح علی کی حویلی رہ گئی نہ منشی غلام حسین کا "رنگ محل" نہ دیوان خانہ نہ کوئی گھر منشی غلام مہدی لاچار و لاوارث اپنے چچا کی بنوائی ہوئی مسجد کی ایک کوٹھری میں لیٹے لیٹے شعر کہتے اور چنا لائی کھا کھا کر زندگی کے دن کاٹتے تھے ۔ ان کی ایک بیٹی اُم زہرا محلہ کنہانہ میں محمد جعفر قدسی جائسی کو بیاہی تھی ۔ بیوی بھی ان کو چھوڑ کر اپنی بیٹی کے ساتھ کنہانہ میں رہنے لگی ۔ اور اپنی بیٹی کے مرنے کے بعد بھی تا حیات داماد ہی کے ساتھ رہیں منشی غلام مہدی کی دوسری بیٹی علی ضامن کے ساتھ منسوب تھی ۔ اس بیٹی سے ایک لڑکا علی صادق عرف چھدّا اور ایک بیٹی تھی جسکی شادی سید محمد مہدی بن سید وصی جان کے ساتھ ہوئی ۔ منشی غلام مہدی کے دو بیٹے بھی ہوئے تھے جن کا نام ظفر مہدی اور حیدر مہدی تھا ۔ یہ دونوں بیٹے بچپن میں لاولد فوت ہوئے اس طرح اس خاندان کا سلسلۂ نسب بہت جلد ختم ہو گیا ۔ آج میر فتح علی کے خاندان کی ایک فرد بھی باقی نہیں ۔ اسی طرح منشی غلام مہدی کا سارا ادبی سرمایہ اور زندگی بھر کی کاوش کے بعد مرتب کئے ہوئے چار دیوان ان کے بھائی کلب حسن بلیغ کا سارا کلام

اور ان کے چچا منشی غلام حسین شائق کا فارسی کلام یہ سب منشی غلام مہدی کے انتقال کے بعد ان کے نجی سامان کے ساتھ محمد جعفر قدسی کے گھر پہونچ گیا ۔ جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں یہ سارا ادبی سرمایہ نہ جانے کس بحرِ ظلمات میں پہونچ گیا کہ باوجود سیکڑوں تقاضوں اور درخواستوں کے قدسی صاحب کے گھر والوں نے اس ادبی ترکہ کی کوئی بھنک نہ دی نہ کسی کو دیا اور نہ یہی بتایا کہ وہ کس کے پاس ہے ۔ اللہ باقی من کل فانی ۔

منشی غلام مہدی کا ایک مرثیہ جو انھیں کے ہاتھ کا لکھا ہے جسمیں ۸۶ بند ہیں وہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے ۔ مرثیہ کا سن تصنیف ۱۳۱۱ ہجری ہے اس مرثیہ کے چند منتخب بند ذیل میں پیش ہیں ۔

کیوں رستخیز عام دیارِ فنا میں ہے کیوں زلزلہ عمارت ارض و سما میں ہے
کیوں تہلکہ ملائک عرش علا میں ہے کیوں شور الغیاث عباد خدا میں ہے
سوز الم یہ قلب دو عالم پسند ہے
نیزے پہ آفتاب امامت بلند ہے

پتھر کوئی زمین سے اٹھایا گیا اگر تھا زیر سنگ چشمۂ خوناب جلوہ گر
دشت و جبل میں جوشش غم کا تھا یہ اثر جنگل ہوا تھا خون کے قطروں سے تربتر
بارش کہو کہ دامنِ صحرا بھگو گئی
ہر نوک خار نشتر فصّاد بن گئی

توڑا گیا جو پھول کوئی لالہ زار سے ٹپکی لہو کی بوند گل نو بہار سے
کاٹی گئی جو شاخ کوئی شاخسار سے اک دھار خوں کی بہہ گئی دشت فگار سے
پتہ ہر اک درخت کا خونبار دیدہ تھا
کاٹا گیا شجر تو گلوئے بریدہ تھا

افشاں تھی خوں کی ہر در و دیوار سے عیاں رنگ شفق کا ہوتا تھا ہر بام پر گماں
جام و سبو و طشت تھے جو زیر آسماں لختے تھے خوں تازہ کے ان سب کے درمیاں
ہر جام آبگینہ لہو سے بھرا ہوا
گویا زمیں پہ تھا دل پرخوں دھرا ہوا

روایت ہے کہ بعد شہادت حضرت امام حسین ؑ ذوالجناح خیام حسینی کے پاس آیا اور حضرت شہربانو کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر سوئے کوہ چلا گیا پھر کسی کو اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہوا منشی غلام

مہدی نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔

یہ کہہ کے اُٹھ کھڑی ہوئی غم دیدہ مستہام۔ موزے چڑھائے کرلیا پردے کا انتظام
جھک جھک کے لونڈیوں نے کیا آخری سلام روتے ہوئے حرم بھی گئے تا در خیام
بانو نے اشکناب کا دریا بہا دیا
زینبؑ نے بڑھ کے گھوڑے کے اوپر بٹھا دیا
جاتی تھی سوئے دشت تو بانوئے نوحہ گر غارت کو اہلبیت کے آتی تھی فوج شر
رستے میں دی کسی نے بن سعد کو خبر جاتی ہے اک زن عربیہ سمند پر
بولا کہ آگے جانے نہ دو راہوار کو
گھوڑے سمیت گھیر کے لاؤ سوار کو
بڑھنے لگے ادھر کے سوار ان پر دغا یاں بانوئے حزیں نے اس آواز کو سنا
تشویش و اضطرار میں خالق سے کی دعا پروردگار تیری کریمی پہ میں فدا
اس عاجزہ کو اہل ستم سے پناہ دے
پردیس میں کنیز کو جانے کی راہ دے
پروردگار تجھ کو پیمبرؐ کا واسطہ خیر النسا کی چادر اطہر کا واسطہ
ہفتاد پارۂ دل شبّرؑ کا واسطہ تشنہ دہانی شہ صفدر کا واسطہ
حرمت بچے کنیز کی حافظ جو تو رہے
حضرت کی آبرو ہوں مری آبرو رہے
آخر تلک نہ پہونچی تھی بانو کی یہ دعا جو اک سوار برقع کو ڈالے نظر پڑا
لیکن تمام جسم تھا مجروح تا بہ پا نزدیک آکے بانوئے بیکس سے یہ کہا
منظور تیرا حفظ ہے پروردگار کو
دیکھے گا اب نہ کوئی ترے راہوار کو

میر سیّد غلام امام رضوی

میر روشن علی حیدری کے ایک بیٹے سید فتح علی اور ان کی اولاد احفاد کا تذکرہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ ان کے دوسرے بیٹے میر عنایت علی کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جس سے اس خاندان کا سلسلہ نسب تا حال برقرار و قائم ہے ان کا نام سید غلام امام تھا اور ان کی عرفیت چندی تھی۔ میر عنایت علی کا ایک بیٹا اور تھا جو جوان عمری میں مرا اس کا نام ہدایت علی تھا۔ اس نے ۱۱۵۵ ہجری/۱۷۴۱ عیسوی میں اپنے باپ کے سامنے وفات پائی۔ میر غلام امام کی شادی میر عصمت علی (دارد نصیرآباد) کی دختر بی بی نعمت کے ساتھ ہوئی تھی۔ میر عصمت علی بن سید علیم الدین بن سید اچھے میر عنایت علی کے چچازاد بھائی تھے۔ (دیکھئے شجرہ) میر عصمت علی اور میر غلام امام کے خاندان میں اتنی قرابت داریاں اور متاہلانہ رشتہ داریاں قائم ہوئیں کہ یہ دونوں خاندان آپس میں شیر و شکر ہو گئے ان ازدواجی تعلقات کا تذکرہ آگے آئے گا۔

میر غلام امام کے حقیقی چچازاد بھائی منشی غلام رضا اپنے بھائی کو بہت چاہتے تھے۔ انگریزی فوج میں اونچے عہدے پر مامور ہونے کی وجہ سے افسران سے اچھے تعلقات تھے۔ انھوں نے غلام امام کے دو بیٹوں یعنی محمد حسن اور سید حسین کو انگریزی فوج میں ملازمت دلوائی تھی۔ یہ دونوں بھائی ملک کے مختلف مقامات پر فوجی چھاؤنیوں میں بعہدۂ منشی کام کرتے تھے۔ میر غلام امام کے یہ دونوں بیٹے علم و فضل میں یکتا تھے اردو فارسی زبانوں میں بڑی مہارت تھی۔ دونوں نے فوجی ملازمت میں "منشی" کا امتحان بھی پاس کیا اور انگریزی افسران سے سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیا۔ تیسرے بیٹے میر سید حسن جائسی میں ہی رہے۔ اور اپنے والد کا تعلقہ اور زمینداری ہیں ہاتھ بٹاتے رہے۔ میر عنایت علی کے باغ میں زیادہ محنت اور شجرکاری میر غلام امام نے کی تھی وہ فارسی زبان میں بڑے قابل تھے۔ ان کے بیٹے محمد حسن اور سید حسین انھیں اپنی ملازمت پر سے صرف فارسی میں خط لکھتے تھے۔

میر غلام امام کی چار بیٹیاں تھیں۔ پہلی بیٹی بی بی بچاون نصیرآباد میں میر مجتبیٰ حسین کو بیاہی تھی جس سے دو بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بی بی زہرا جو میر اولاد حسین بن

سید حسین کو اور دوسری بی بی سکینہ میر ابوالحسن بن سید حسن کو بیاہی تھی ۔ میر الطاف حسین اور بی بی بتوا حقیقی خالہ زاد بھائی بہن تھے ۔

میر غلام امام کی دوسری بیٹی کنیز بتول نصیر آباد میں سید امیر علی کو منسوب تھی۔ ان سے محمد مہدی عرف مولوی بھگو اور دو بیٹیاں بی بی خدیجہ زوجہ سید فاخر اور بی بی رقیہ زوجہ مرتضیٰ حسن ہوئیں ۔ مولوی محمد مہدی عرف مولوی بھگو (نصیر آبادی) میر غلام امام کے نواسے تھے ۔ ان کے خاندان کا مختصر شجرہ اور قرابتوں کا مختصر نقشہ ذیل میں پیش ہے

بی بی کنیز بتول (دختر میر غلام امام)

- محمد ہادی
- مولوی محمد مہدی عرف بھگو
  - انصار حسین
    - سردار حسین
    - انتخار حسین
    - مختار حسین
    - اقبال بانو (زوجہ حسن احمد)
    - آغائی بیگم (زوجہ حسن احمد)
  - کرار حسین
  - ابرار حسین
    - جعفر حسین
      - زوار حسین
    - اچھے
    - علی اطہر
- بی بی رقیہ (زوجہ سید مرتضیٰ حسن)
  - امتہ السیدہ (زوجہ میاں جان)
    - سید اصغر حسین
      - فیروز حسین
      - امیر حسین
      - عوض حسین
      - ابوالحسنین
    - بی بی بتن (زوجہ ساجد حسین)
  - مصطفیٰ حسین
    - محمد محسن عرف اچھن
      - عزیز حسن
      - شہنشاہ حسن
        - وارد پاکستان
- بی بی خدیجہ (زوجہ سید فاخر)

میر غلام امام کی تیسری بیٹی بی بی رحمت کی شادی نصیر آباد میں میر فدا حسین (نمبردار) بن سید حسین علی کے ساتھ ہوئی تھی ۔ میر فدا حسین کا خاندان سید خان جہاں کی دہ

شاخ ہے جو میر عصمت علی کے ساتھ جائس سے نصیرآباد منتقل ہوگئی تھی۔ اس خاندان اور خاندان میر غلام امام میں جو قرابتیں ہوئیں وہ مختصراً نقشہ ذیل سے ظاہر ہوں گی۔
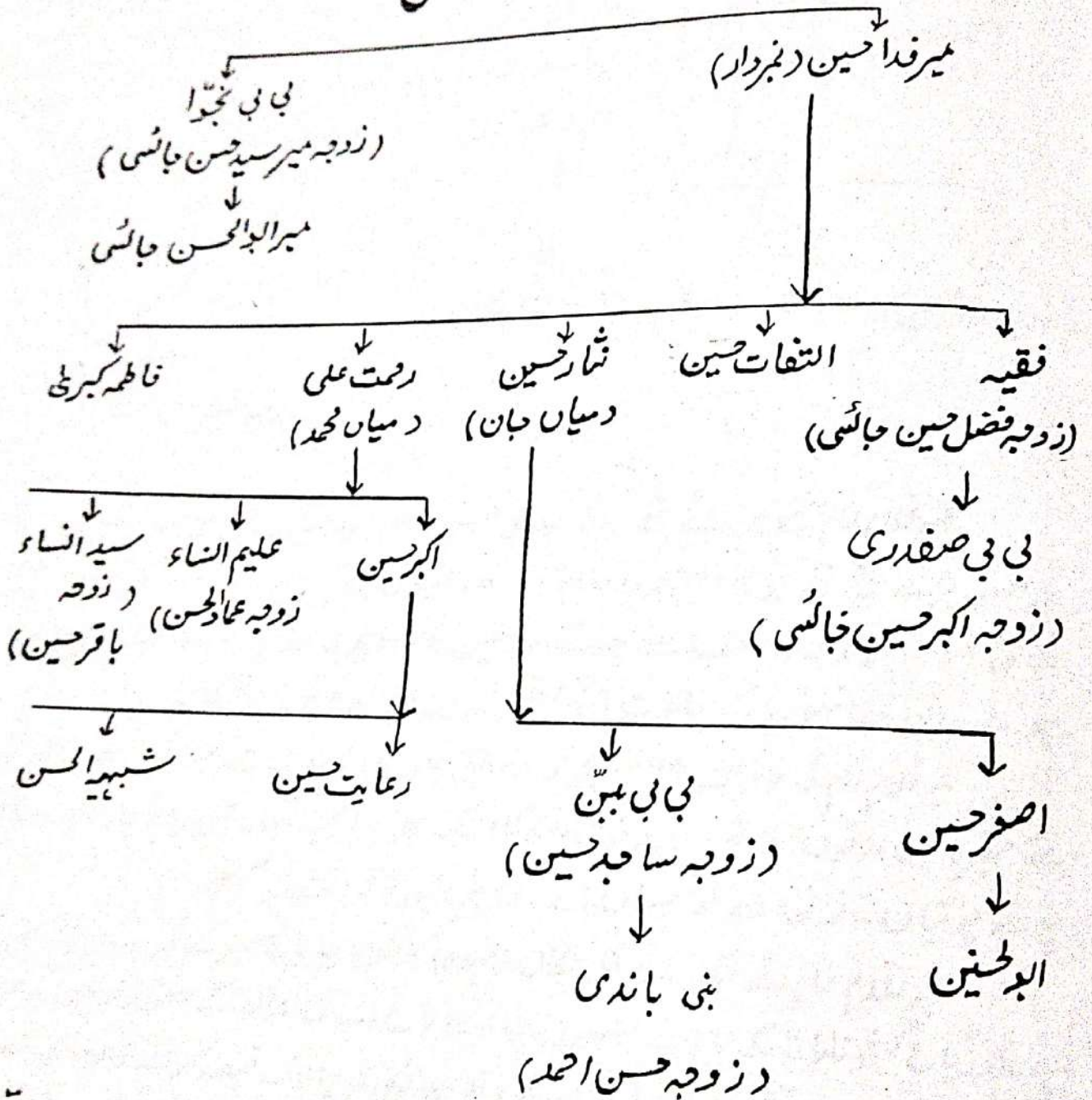
میر غلام امام کی جو تھی بیٹی میر محمد حیات کے بیٹے سید شبیر علی کو بیاہی تھی اس لڑکی سے ایک بیٹا حمزہ علی اور ایک بیٹی بیان اس کا نام بی بی حسن باندی تھا۔ اس کا نام بی بی حسن باندی تھا۔ نام کی تھی جو نصیرآباد میں اپنے خالہ زاد بھائی محمد ہادی ابن سید امیر علی کو بیاہی گئی۔
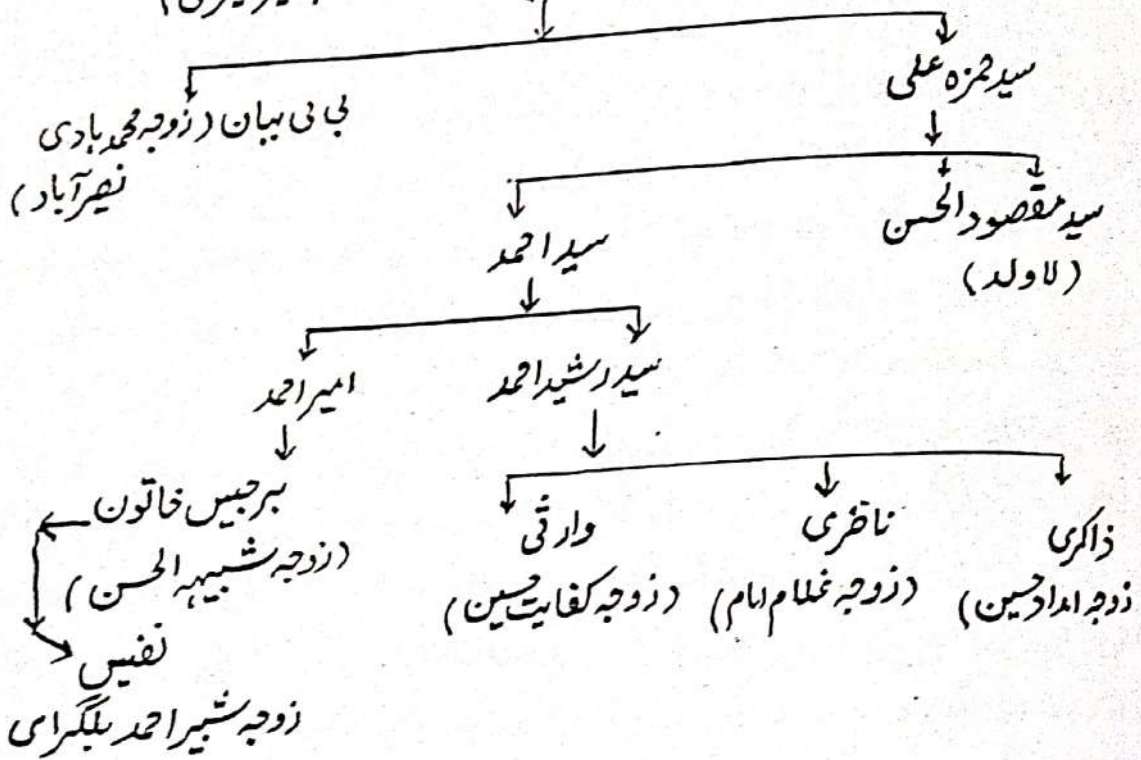
میر غلام امام کے تین بیٹے تھے۔ (۱) سید محمد حسن (۲) سید حسن اور (۳) سید حسین۔ محمد حسن بڑے بیٹے تھے جو ۱۲۱۸ ہجری مطابق ۱۸۰۶ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ سید حسن ۱۲۲۱ ہجری مطابق ۱۸۰۹ عیسوی اور سب سے چھوٹے سید حسین ۱۲۲۸ ہجری مطابق ۱۸۱۶ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ ان بھائیوں کے حالات آگے صفحات میں علیحدہ پیش ہونگے۔

میر غلام امام کی وفات ۱۲۶۹ ہجری مطابق ۱۸۵۶ عیسوی میں ہوئی۔ اپنے والد کے نئے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ بروقت انتقال ایک بھرا پُرا کنبہ تھا۔ تین بیٹے چار بیٹیاں سات پوتے پوتیاں۔ نو نواسے نواسیاں اور دو بہنیں چھوڑ کر انتقال کیا۔

میر غلام امام نے ایک باغ گل چکاں (مہوہ) کا لگوایا یہ باغ مہوے کی بہت بڑی باغ ہے۔ اور "باغ کیشوتارا" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ باغ اب خاندان کے حصّہ داروں کی سرد مہری لاپروائی غفلت اور بدنظمی کی بدولت ان کے ہاتھ سے نکل کر جالاک قبضہ کرنے والوں کے ہاتھ میں جارہا ہے۔ اس باغ کے حصہ دار خاموش تماشائی بنے ہوئے اپنے اجداد کی اس جائیداد کو غیروں کے قبضہ میں جاتا دیکھ رہے ہیں۔ مگر کچھ کرنے کی ان میں نہ ہمت ہے اور نہ خواہش۔ خاندان کا ہر حصہ دار کسی لمیٹڈ کمپنی کے شیر ہولڈر کی طرح اپنے حصہ کے بروزن نفع ونقصان کا اندازہ لگا کر تن بہ تقدیر "ہرچہ آید غنیمت است" بنا بیٹھا ہے۔

منشی سید محمد حسن

میر غلام امام کے بڑے بیٹے اپنے جد معظم میر عنایت علی کی حیات میں ۴ ربیع الاول ۱۲۱۸ ہجری مطابق ۱۸۰۶ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ علم وفضل میں اپنے وقت کے منتہی تھے۔ اردو فارسی اور عربی زبانوں میں ماہر بڑے حلیم الطبع سنجیدہ مزاج اور منکسر المزاج طبیعت کے انسان تھے اپنے پھوپھا منشی غلام رضا اور چچا منشی غلام حسین کی تعلیم وتربیت رہبری و رہنمائی سے زبان دانی میں سب سے آگے نکل گئے بڑے قابل اور عالمانہ استعداد کے مالک تھے۔ اردو اور فارسی زبانوں میں اس وقت کی بہت سی نایاب و کم یاب کتابوں کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ منشی محمد حسن کے ذاتی کتب خانہ میں سیکڑوں نادر کتابیں اور شاہی فرامین موجود تھیں۔ ان نوادرات کا زیادہ حصہ تلف ہو چکا ہے۔ منشی محمد حسن انگریزی فوج میں منشی کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ جگہ ان کے پھوپھا منشی غلام رضا نے دلوائی تھی۔ چھاؤنی نصیرآباد، اجمیر، منڈیاؤں، لودھیانہ (پنجاب) اور راجستھان میں اسی ملازمت کے دوران مقیم رہے۔ جالس کے مرزا عاشور بیگ جن کی مہندی کا جلوس ۷ محرم کو امام باڑہ تمبانہ (بڑا دروازہ) سے اٹھتا ہے وہ بھی منشی محمد حسن کے ساتھ نصیرآباد چھاؤنی میں تھے۔ اپنی ملازمت پر سے منشی ممدوح انواع واقسام کے تحفے پارچہ جات جوتے وغیرہ اپنے سب ہی اعزہ کو بھیجتے تھے۔ اپنے والد میر غلام امام کو ہمیشہ فارسی زبان میں خط لکھتے تھے۔ ان کی تین بہنیں یعنی بی بی بچاون، بی بی کنیز بتول اور بی بی رحتن نصیرآباد میں بیاہی تھیں۔ ان لوگوں کو منشی محمد حسن بے حد چاہتے تھے اپنے حقیقی ماموں یعنی سید حسین علی وسید وزیر علی سے بھی بڑی محبت تھی۔ موصوف کے ان سب ہی خطوط میں جو انھوں نے اپنے باپ کو لکھے ہیں ان میں اپنے ماموؤں کو جو نصیرآباد میں رہتے تھے ہمیشہ یاد کیا اور سلام لکھا ہے۔

منشی محمد حسن اپنے والد کے بڑے بیٹے تھے اس لئے خاندانی کاغذات متعلق بہ زمینداری رہن وبیع وفرامین سب انھیں کے پاس تھے نیز رہائشی مکان میں بر وقت تقسیم وہ حصہ ان کے پاس آیا جو سب سے بہتر نمایاں اور شارع عام کے قریب تھا۔ ان کی شادی نصیرآباد میں ان کے حقیقی ماموں میر وزیر علی کی بیٹی بی بی ہوسن کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کی اولاد میں کوئی بیٹی نہیں تھی تین بیٹے تھے۔ مرتضی حسن بڑے تھے۔ دوسرے ہدایت حسن اور تیسرے حیدر حسن۔ ان بیٹوں کے حالات آگے کے صفحات پر ملاحظہ ہوں۔ منشی محمد حسن کا انتقال ۹ صفر ۱۲۹۶ ہجری مطابق ۱۸۸۴ عیسوی

میں ہوا۔ ان کی زوجہ بی بی حسن نے سات سال قبل ۱۲۸۹ ہجری / ۱۸۷۷ عیسوی میں وفات پائی۔

میر سید حسن رضوی

میر غلام امام کے منجھلے بیٹے سید حسن ۲۱ محرم ۱۲۲۱ ہجری / ۱۸۰۹ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ بڑے فربہ تندرست اور مضبوط بدن کے آدمی تھے۔ اور اپنے دونوں بھائیوں سے زیادہ صحت مند۔ تعلیم بہت معمولی تھی اپنے بھائیوں کی طرح سرکاری ملازمت نہیں کی گو پھر اپنی زمین جائداد و باغات وغیرہ کی دیکھ ریکھ میں اپنے والد کا ساتھ بٹاتے تھے۔ ان کی شادی نصر آباد میں حقیقی ماموں سید حسین علی کی دختر بی بی بخواؔ کے ساتھ ہوئی تھی۔ صرف ایک لڑکا تھا۔ سید ابوالحسن بیٹی کوئی نہ تھی۔ سید غلام امام کے تین بیٹوں میں ان کی نسل صرف ایک پیڑھی کے بعد ختم ہوگئی کیونکہ سید حسن کے اکلوتے بیٹے سید ابوالحسن کی دو بیٹیاں چھوڑ اولاد نرینہ کوئی نہ تھی اس لئے سلسلۂ نسب ختم ہوگیا۔ باپ کی حویلی جب تین بیٹوں میں تقسیم ہوئی تو سید حسن کے حصہ میں پرانے مکان کا وہ حصہ آیا جو مویشیوں کے باندھنے کے لئے بطور سریا استعمال ہوتا تھا۔ ان کے بیٹے سید ابوالحسن نے اس حصے کو ایک اچھے مکان میں بدل دیا۔ یہ مکان امام باڑہ بڑا دروازہ کے بالکل سامنے پورب کی جانب ہے۔

میر سید حسن کے دونوں بھائی یعنی منشی محمد حسن اور منشی سید حسین چونکہ اپنی فوجی ملازمت کے سلسلہ میں زیادہ تر باہر رہتے تھے اس لئے جائس میں زمین و جائداد وغیرہ کے معاملات اور خاندان سے متعلق جملہ امور انھیں کی نگرانی اور دیکھ ریکھ میں انجام پاتے تھے۔

سید حسن بڑے بہادر اور غیور بھی تھے۔ تلوار چلانے کا ہنر بھی جانتے تھے ایام غدر ۱۸۵۷ عیسوی میں جب بلوائیوں نے سیتھو کی حویلی پر حملہ کیا اور اسے لوٹنے کا ارادہ کیا تو سید حسن نے بچاؤ کے لئے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ تلوار لیکر ان بلوائیوں کا مقابلہ کیا۔ پھر بھی حویلی لٹنے سے نہ بچ سکی بہت سامان بلوائی لوٹ کر لے گئے۔ اس میں سید حسن کے چچا منشی غلام حسن کا وہ حقہ بھی تھا جس کی فرش سونے کی تھی اور جسے شاہ اودھ نے منشی غلام حسن کو عطا کیا تھا۔ اس حقہ کی قیمت ایک لاکھ روپیہ بتائی جاتی ہے۔

حقے کی یہ قرشی منشی غلام حسن نے اپنی اکلوتی بیٹی کنیز فاطمہ کو دی تھی جو میر سرفراز علی کو بیاہی تھیں۔

سید حسن کی تلوار بہت دنوں تک گھر میں موجود تھی ۱۹۴۷عیسوی سے یہ تلوار آٹھویں محرم کو محلہ ہاشمی کے جلوس میں ذوالجناح پر لگایا جانے لگی۔

سید حسن کی وفات ۳؍رمضان المبارک ۱۲۸۲ہجری میں ہوئی ء/ ۱۸۶۷عیسوی بروقت انتقال ایک بیٹا سید ابوالحسن پسماندگان میں چھوڑا۔ سید حسن کے حقیقی پھوپھا زاد بھائی سید محمد (خان بہادر) کے بیٹے سید عبداللہ (لندنی) ان کے جگری دوستوں میں تھے۔

منشی سید حسین

میر غلام امام کے سب سے چھوٹے صاحب زادے ۱۵؍شعبان ۱۲۲۸ ہجری کے مبارک دن مطابق ۱۸۱۶ عیسوی آپ کی پیدائش ہوئی۔ اپنے بڑے بھائی منشی محمد حسن کی طرح یہ بھی علم وفضل میں یکتائے زمانہ تھے دونوں بھائیوں نے اپنے حقیقی پھوپھا منشی غلام رضا سے اردو فارسی اور عربی زبانوں میں درس حاصل کیا۔ سید حسین بڑے دوراندیش اور خوش تدبیر انسان تھے۔ فوج میں منشی کے عہدے پر فائز تھے۔ اور ملک کی مختلف چھاؤنیوں میں کام کیا۔ فوجی ملازمت کے دوران اپنی لیاقت اور محنت سے پنجاب سے منشی کا امتحان پاس کیا۔ ان کے انگریز افسر نے اچھی کارکردگی کے لئے سرٹیفکیٹ بھی دیا۔ اتفاق سے یہ دونوں بھائی ایام غدر ۱۸۵۷ عیسوی میں اودھ آگرہ اور دتی وغیرہ مقامات پر ملازم نہ تھے اس لئے غدر کی ہولناک خوں ریزی سے محفوظ رہے۔ دوران ملازمت اپنے والد میر غلام امام کو ہنڈیوں کی معرفت روپیے ارسال کرتے تھے۔ فوج میں رہ کر خوب کمایا اور وطن واپس آنے کے بعد بہت سی آراضیات وجائیداد خریدیں۔ اپنے حقیقی بھانجے سید حمزہ علی بن سید شیر علی سے موضع پرتاپ پور پرگنہ اکبر پور ضلع کانپور میں اکیس بیگہ آراضی مبلغ تین ہزار روپیے (سکۂ کمپنی بہادر) کے عوض خریدی۔ یہ گاؤں منشی محمد حسن اور سید حسین نے بہ حصہ مساوی ۱۲؍مئی ۱۸۵۷ عیسوی میں خرید کر رجسٹری کرایا۔ اس زرعی علاقہ کا ایک موضع گھلوں حمزہ علی کے پاس رہا۔ جہاں ان کے بیٹے مقصود الحسن بہت دنوں تک بطور زمیندار برقرار رہے خاتمہ زمینداری سے قبل ہی میر مقصود الحسن نے موضع گھلوں بھی بیچ ڈالا۔ سید حسین اور میر محمد حسن کے گاؤں پرتاپ پور کو ان کے بیٹوں نے فروخت کر دیا۔ موضع پرتاپ پور میں چک نوازش حسین بہت عرصہ تک مشہور رہا۔

محلہ تمبا نہ میں ایک قطعہ آراضی جو دیوان خانہ میر فتح علی سے ملحق تھا اس کو اپنے پھوپھا زاد بھائی سید محمد حسین پینشکار سے مبلغ ساٹھ روپیے میں ۱۸۶۴ عیسوی میں خریدا۔ یہ زمین اس سے قبل میر موسیٰ علی نے محمد حسین پینشکار کے ہاتھ بیچ دیا تھا چونکہ سید حسین کو دیوان خانہ کی زمین پر نیا مکان بنوانا تھا۔ اس لئے اس زمین کو بھی میر محمد حسین سے انھوں نے خرید لیا اور موصوف نے بہ نظر رشتہ داری اپنے بھائی

سید حسین کے ہاتھ فروخت کردیا۔ یہ قطعہ اراضی وسط محلہ تمبانہ میں تا حال افتادہ پڑی ہے۔

دیوان خانہ میر فتح علی کی زمین کلب حسین، کلب حسن اور غلام مہدی ابنائے منشی غلام رضا کی ملکیت تھی۔ جسے ان بھائیوں نے ۱۸۶۳ عیسوی میں سید حسین کے بیٹے اولاد حسین و نوازش حسین کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔ اس زمین پر سید نوازش حسین نے اپنے بھتیجے منشی الطاف حسین بن اولاد حسین کے لئے ایک نیا مکان تعمیر کرایا جو وسط محلہ میں بہت نمایاں جگہ پر ہے۔ اس مکان کے عوض الطاف حسین نے سید حسین کے گھر میں اپنے حق سے دست برداری کردی۔ چونکہ سید حسین تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اس لئے باپ کے مکان میں ان کو سب سے کونے والا اور غیر نمایاں حصہ ملا اور یہی مکان نوازش حسین کے حصہ میں آیا۔

سید حسین نے آم اور مہوے کی ایک باغ جو "باغ کمیدان" کے نام سے مشہور ہے اُسے میر شبیر علی ولد اولاد علی سے خریدا۔ اور اسے "نئی باغ" کا نام دیا۔ یہ باغ شبیر علی کمیدان نے اکیس تیس روپے میں سید حسین کے پاس رہن کی تھی۔ جو کچھ عرصہ بعد شبیر علی کی ملکیت سے خارج ہوگئی۔ اس باغ میں میر شبیر علی اکیس محرم کو اپنا منتی تعزیہ دفن کیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد فریقین میں تعزیہ دفن کرنے کی نوعیت پر نزاع واقع ہوئی تو اپریل ۱۸۷۲ عیسوی میں دونوں کے مابین اقرار نامہ ہوکر یہ طے پایا کہ سید حسین تعزیہ دفن کرنے پر تعرض نہ کریں گے اور شبیر علی باغ پر اپنی کوئی ملکیت کبھی نہ ظاہر کریں گے۔

سید حسین نے ایک دوسرا باغ میر موسیٰ علی سے خریدا تھا یہ باغ ان کے خاندانی باغ مقبرہ گکرہیا سے متصل ہے۔ یہ باغ پرانے درختوں کے رفتہ رفتہ ختم ہونے سے تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ سید حسین کی اولاد نے صرف ان درختوں کا پھل کھایا لیکن مزید درخت اس باغ میں نہیں لگوائے۔

منشی سید حسین نے پوکھرہ کمیدان کے پاس ایک پختہ کنواں بھی تعمیر کرایا تھا۔

منشی سید حسین کی شادی نصیرآباد میں میر افضل علی کی دختر کے ساتھ ہوئی۔ ان معظمہ کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں ہو سکا یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کی وفات کب اور کہاں ہوئی منشی سید حسین کی وفات ۲۱ رجب/جمادالاول ۱۳۱۳ ہجری مطابق ۱۸۹۶ عیسوی میں ہوئی آپ نے بروقت انتقال ایک بیٹی اور دو بیٹے عقب میں چھوڑے۔

بیٹی بی بی کلثوم اپنے ابن عم سید ہدایت حسن بن منشی محمد حسن کو بیاہی تھیں ان سے دو بیٹے امیر الحسن اور ریاض الحسن ہوئے۔ بی بی کلثوم ساری عمر تکلیف اٹھاتی رہیں۔ کیوں کہ ان کے شوہر ہدایت حسن کو افیون کی لت تھی۔

منشی سید حسین کے بڑے بیٹے سید اولاد حسین اور چھوٹے سید نوازش حسین تھے۔ بی بی کلثوم نے ۱۳۲۲ ہجری/۱۹۰۵ عیسوی میں انتقال کیا۔ ان کے شوہر میر ہدایت حسن نے ۱۳۴۴ ہجری میں وفات پائی۔ بی بی اُم کلثوم نے اپنی حیات میں ایک قلبی اور ذہنی اذیّت یہ بھی اُٹھائی کہ اپنی وفات سے دس برس پہلے اپنے جوان عمر فرزند ریاض الحسن کا داغ جدائی ۱۳۱۲ ہجری مطابق ۱۸۹۵ عیسوی میں اُٹھایا۔ ان کے بھائی اولاد حسین نے بھی انکی حیات میں انتقال کیا۔

بی بی مولی زوجہ سید حسین کا شجرۂ نسب

سید محمد عامل (نصیر آبادی)

↓

میر سرفراز علی

↓

میر افضل علی

↓

بی بی مولی (زوجہ سید حسین جائسی)

سید مرتضیٰ حسن

منشی سید محمد حسن کے بڑے بیٹے ۱۹؍ رمضان المبارک ۱۲۴۹ ہجری مطابق ۱۸۳۳ء
میں انکی ولادت ہوئی۔ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اس لئے اپنے والد کے بہت چہیتے
تھے۔ ان کے منجھلے بھائی سید حیدر حسن ان سے تین سال اور چھوٹے بھائی سید ہدایت حسین
پانچ سال چھوٹے تھے۔ چونکہ والد بسلسلہ ملازمت باہر رہتے تھے اس وجہ سے اپنے پورے گھر
اور خاندان کے جملہ معاملات ان کی مرضی و منشا کے مطابق طے پاتے تھے۔ ان کے والد منشی محمد حسن
جب اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو کر وطن میں قیام پذیر ہوئے تب بھی ان سب معاملات میں
خود رائی اور نگرانی کے ذمہ دار رہے جو بعد میں والد کی ناراضگی کا سبب ہوا۔ مرتضیٰ حسن کی پہلی
شادی نصیرآباد میں سید امیر علی کی دختر بی بی رقیہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ جو ان کی پھوپھی زاد بہن
تھیں۔ رقیہ کے بطن سے ایک بیٹا سید مصطفیٰ حسن اور ایک بچی امتہ السیدہ تھی۔ امتہ السیدہ
کی شادی نصیرآباد میں انکے خالہ زاد بھائی سید نثار حسین عرف بچّان بھائی ابن سید فدا حسین کے ساتھ ہوئی
تھی۔ امتہ السیدہ کی بیٹی امتہ السبطین عرف بیتن جائس میں سید ساجد حسین ابن امداد حسین سے
منسوب ہوئیں۔ ۱۲۷۷ ہجری / ۱۸۶۱ عیسوی میں جب رقیہ بی بی کا انتقال ہو گیا تو مرتضیٰ حسن
نے دوسری شادی بی بی عیو حنا کے ساتھ کی مگر اس زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۱۳۲۴ ہجری
مطابق ۱۹۰۶ عیسوی میں بی بی عیو حنا کے انتقال کے بعد انھوں نے تیسری شادی بی بی انتقی النساء
کے ساتھ کی جو نصیرآباد کی ایک بیوہ خاتون تھیں۔ انتقی النساء اپنے شوہر مرتضیٰ حسن کے انتقال
کے بعد بہت دنوں زندہ رہیں اور ۱۹۵۸ء میں انتقال کیا۔ انھیں خاندان کے بچے دادی اماں
اور جائس کے لوگ "کولیا والی" کہتے تھے۔ مرتضیٰ حسن کے بھتیجے سید امیر الحسن نے انکی بھی
بڑی خدمت کی ان کے لئے ایک اچھا سا مکان بھی بنوا دیا تھا۔ محلہ تمیانہ (ہاشمی) میں واقع
احاطہ نمبر ۲۷۶ موسومہ بیر تلا میں جو پورے خاندان کی ملکیت تھی اُسے سید امیر الحسن نے
عماد الحسن، الطاف حسین، مشتاق حسین، بی بی بتوا دختر ابرالحسن مرحوم، نوازش حسین، ساجد حسین
وغیرہ سے اپنے نام ہبہ کروا لیا البتہ سید محمد حسن بن مصطفیٰ حسن نے اپنا حصہ تیس روپیہ پانچ آنہ
چار پائی میں امیر الحسن کے نام فروخت کر دیا۔ اسی طرح اس زمین سے ملحق احاطہ نمبر ۲۷۱ کو جو
جنگی حجام بن واجد حجام اور نوروز بن شاہد حجام کی ملکیت تھی اور جسے ان دونوں نے سید مرتضیٰ
اور سید بستی میاں سے بعوض حق الخدمت ذکی حسن کی شادی کے موقع پر پایا تھا انھیں بھی ہو گا
مبلغ سولہ روپیہ امیر الحسن نے خرید لیا۔ دونوں پلاٹ پر ایک اچھا سا مکان ایک بچی بنا انھوں الائد

بیوہ مرتضیٰ حسن کے لیۓ بنوادیا۔ یہ مکان بہت جلد وارثوں کی غفلت کے باعث گرگر کھنڈر ہو گیا۔ یہ پلاٹ محلہ تمبانہ کے پورپ جانب غلام حسن بن کلّو کے مکان سے ملحق ہے۔ مرتضیٰ حسن کے ایک ہی بیٹا تھا۔ سید مصطفیٰ حسن جو ان کی زوجہ اولیٰ بی بی رقیہ کے بطن سے ۲۱ رجب ۱۲۷۵ ہجری مطابق ۱۸۶۳ عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور صرف ۳۷ سال کی کم عمر میں اپنے والد سید مرتضیٰ حسن کے سامنے ۲۷ شعبان ۱۳۱۲ ہجری / ۱۸۹۹ عیسوی میں انتقال کر گیا۔ پتہ نہیں یہ مرتضیٰ حسن کی بدقسمتی تھی یا قدرت نے ان سے انتقام لیا تھا کیوں کہ جب مرتضیٰ حسن کے منجھلے بھائی سید حیدر حسن اپنے والد محمد حسن کی حیات میں ایک بچہ عمادالحسن کو عقب میں چھوڑ کر دارِ فانی سے رخصت ہو گئے تو مرتضیٰ حسن اپنے بوڑھے باپ محمد حسن سے بضد ہوئے کہ حیدر حسن کے مرنے کے بعد ان کا بیٹا عمادالحسن محجوب الارث ہو گیا۔ اس لئے جائیداد میں اسے کوئی حصّہ نہ ملنا چاہیۓ مگر محمد حسن اس بات پر اڑ گئے کہ وہ اپنے محجوب پوتے عمادالحسن کو جائیداد میں حصّہ دار ضرور بنائیں گے۔ اس بات پر دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی۔ اور مرتضیٰ حسن نے باپ کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا کہ انھوں نے مرتضیٰ حسن کو عاق نامہ کی رجسٹری کرا دی۔ قدرت نے مرتضیٰ حسن کو بھی اس تکلیف دہ صورت سے دوچار کیا اور ان کا بیٹا مصطفیٰ حسن اپنے باپ کے انتقال سے سات سال قبل ایک بیٹا (محمد محسن) کو چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ خاندان کے لوگوں نے خاصکر میر ہدایت حسن نے ان دونوں صورتوں میں محجوب الارثی کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ اور دونوں بھائیوں کی اولاد کو جائداد میں اپنے حصّہ کا شریک دار بنایا۔ مصطفیٰ حسن کی شادی محلہ سیدانہ کے میر مومن جان کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی جس سے دو بیٹے محمد محسن اور محمد احسن ہوئے۔ محمد احسن نے ۱۹۰۳ء میں کالرہ ہونے سے انتقال کیا۔ لیکن محمد محسن نے اپنے ماموں مولوی مہدی الزمان ایڈوکیٹ کی کفالت میں ترقی کی۔ پڑھ لکھ کر یو پی سکریٹریٹ میں ملازم ہوئے اور ۱۹۴۷ء میں انتقال کیا۔ مرتضیٰ حسن نے ۱۳۱۹ ہجری / ۱۹۰۲ عیسوی میں انتقال کیا۔

سید حیدر حسن و سید ہدایت حسن

منشی سید محمد حسن کے بیٹے سید حیدر حسن ۲۱ رمضان المبارک ۱۲۵۲ ہجری / ۱۸۴۰ء کو اور سید ہدایت حسن ۲۹ ذیقعد ۱۲۵۴ ہجری مطابق ۱۸۴۲ عیسوی کو پیدا ہوئے تھے۔ سید حیدر حسن کافی عرصہ تک الہ آباد میں محلہ دریاآباد کے ایک مکتب میں مدرس تھے۔ کم عمری میں اپنے باپ کے سامنے وفات پائی۔ ان کی شادی نصیرآباد میں میر فدا حسین نمبردار کی بیٹی فاطمہ کبریٰ کے ساتھ ہوئی تھی جو ان کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں۔ میر حیدر حسن کی وفات کے وقت ایک بیٹا عمادالحسن اور ایک بیٹی سائرہ خاتون موجود تھیں۔ سائرہ کی شادی چچازاد بھائی سید ریاض الحسن بن سید ہدایت حسن کے ساتھ ہوئی تھی۔

سید ہدایت حسن اپنے بھائیوں میں سب سے کم سخن حلیم الطبع اور نیک تھے تلاش معاش میں گھر سے باہر نہیں نکلے اپنے خاندانی زمین جائداد پر قانع رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اپنے چچازاد بھائی سید ابوالحسن کے ساتھ افیون کھانے کے عادی تھے۔ ان کی شادی چچازاد بہن بی بی اُم کلثوم بنت منشی سید حسین کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ بی بی تاحیات مصائب جھیلتی رہیں۔ اور اپنے بھائی اولاد حسین و نوازش حسین کی کفالت میں زندگی گذاری۔ ان کے بیٹے امیرالحسن کو بھی ان ماموؤں نے تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔ نوازش حسین نے اپنی بیٹی ناظمی خاتون کو امیرالحسن کے ساتھ منسوب کیا۔

سید حید حسن نے ۳۵ سال کی عمر میں ۱۲۹۲ ہجری / ۱۸۸۵ عیسوی میں انتقال کیا اور میر ہدایت حسین نے ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ ہجری / ۱۹۰۷ عیسوی میں وفات پائی۔ حیدر حسن کی اہلیہ فاطمہ کبریٰ نے اکتیس سال بیوگی کے گذارے اور ۲۸ ستمبر ۱۹۱۱ء کو انتقال کیا۔
میر ہدایت حسن کی اہلیہ بی بی اُم کلثوم بنت سید حسین نے ۱۹۰۵ عیسوی میں انتقال کیا۔
میر حیدر حسن کی بیٹی سائرہ خاتون نے بھی بیوگی کا طویل عرصہ گذارا اُن کے شوہر ریاض الحسن نے ۱۳۱۲ ہجری / ۱۸۹۵ عیسوی میں وفات پائی تھی یہ معظمہ ۴۵ سال شوہر کی وفات کے بعد زندہ رہیں۔ اپنے وفات سے کچھ ہی دنوں پہلے وہ زیارات عتبات عالیات سے بھی مشرّف ہوئیں۔ ۱۹۳۹ عیسوی میں سائرہ خاتون نے انتقال کیا۔ ایک بیٹی سائرہ کے بطن سے ہوئی تھی جس کا نام احمدی تھا۔ احمدی کی شادی میر اطہر حسین عرف اطو کے ساتھ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۶ء میں ہوئی تھی۔ مولوی ذکی حسن اور مولوی محمد تقی نے نکاح پڑھا احمدی کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ منشی غلام مہدی نے فاطمہ کبریٰ اہلیہ حیدر حسن کی وفات پر یہ قطعہ تاریخ نظم کیا

مہدی دیتا صدا ہے بہ ترصنواں ۔ دیکھو خلد بریں میں ہے کبریٰ ۔ (۱۳۲۹ ہجری)

سید ابوالحسن

میر سید حسن کے بیٹے سید ابوالحسن ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۴۶ ہجری / ۱۸۳۴ عیسوی میں پیدا ہوے یہ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ اس لئے لاڈ و پیار میں پرورش ہوئی۔ ان کی والدہ نصیرآباد کے میر فدا حسین نمبردار کی حقیقی بہن تھیں۔ میر فدا حسین میر سید حسن کے ماموں زاد بھائی تھے۔ سید ابوالحسن اپنے چچا کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ان کو افیون کھانے کی عادت تھی اور اس عادت میں ان کے برادر عم زاد سید ہدایت حسن بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ افیون کھانا اس زمانہ کی تہذیب و فیشن میں ایک عام بات تھی اور لوگوں کا ایسا خیال تھا کہ افیون استعمال کرنے والے کی لمبی عمر ہوتی ہے مگر میر ابوالحسن شاید کچھ زیادہ ہی اس عادت میں گرفتار تھے انھوں نے اپنی بہت سی بچی جائداد کھیت اور پیڑ پودے اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر بیچ ڈالے۔ باپ کی واحد اولاد تھے چچاؤں اور ان کے بیٹوں نے بھی یا تو تعرّض نہیں کیا یا ان کی بات مانی نہیں گئی۔ غلّہ کا بیوپار کرتے تھے اس کے لئے محلہ کنجا نہ خورد میں اپنی زمین پر ایک "گولہ" بنوایا تھا جہاں پر غلّہ کا ذخیرہ رکھتے تھے اور دو تین نوکر غلہ کی خرید فروخت اور تول نے کے لئے رکھے تھے۔ کاروبار کافی اچھا اور منافع بخش تھا لیکن ان کے بعد اس کا کرنے والا کوئی نہ تھا۔ میر ابوالحسن کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف دو بیٹیاں تھیں ایک عباس باندی جو میر نوازش حسین کو بیاہی تھیں اور دوسری شبر باندی عرف بی بی لبّوا جو نصیرآباد میں میر فدا حسین نمبردار کے بیٹے رحمت علی عرف میاں محمد سے منسوب ہوئیں۔ میاں محمد میر ابوالحسن کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ بی بی لبوا نے اچھی عمر پائی تھی شادی ان کی اگرچہ نصیرآباد میں ہوئی تھی مگر وہ مرتے دم تک اپنے باپ کی ڈیوڑھی پر رہیں اور اپنے بیٹے اکبر حسین اور دو بیٹیوں یعنی سید النساء اور علیم النساء کو بھی اپنے ساتھ جائس میں رکھا۔ اکبر حسین ویسے بھی خاندان کی ایک شاخ سے تعلق قریبی رکھتے تھے لیکن بی بی لبّوا کے فرزند ہوتے کی بنا پر خاندان میر غلام (عرف جینڈی) سے مزید رابطہ قریبی اور تعلق قلبی قائم ہو گیا۔ یہاں پر اس غلط فہمی کو دور کر دینا بھی ضروری ہے کہ نصیرآباد میں میر فدا حسین نمبردار کے خاندان کے بعض افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ میر روشن علی حیدری کے خاندان کی طرح انھیں اپنے نام کے آگے رضوی نہیں لکھنا چاہیئے یہ تصوّر سراسر غلط ہے۔ سید محمد نجیب کی اولاد نے جب اپنے نام کے آگے رضوی لکھنا جائز سمجھا تو ان کے دوسرے بھائی سید اچھے کی اولاد کو بھی رضوی لکھنا چاہیئے۔

سید محمد نجیب کا خاندان جائس میں رہا اور سید اچھے کا خاندان نصیرآباد میں منتقل

ہوگیا۔ تو اس نقل مکانی سے کوئی فرق نہیں ہونا چاہئیے اور دونوں خاندان کو رضوی لکھنا چاہئے۔

سید امیجے کا خاندان نصیرآباد کب منتقل ہوا اس کا پتہ آسانی سے لگ سکتا ہے۔ میر روشن علی حیدری نے اپنے چچا زاد بھائی میر محمد علیم کے دو بیٹوں یعنی سید عصمت علی اور سید رحمت علی کے ہاتھ جائس میں ایک قطعہ آراضی زرعی موسومہ اسمہا باغ دو بیگہ مبلغ بیس روپے میں رہن رکھا تھا۔ یہ رہن نامہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۱۷۰ ہجری/۱۷۵۷ عیسوی میں لکھا گیا۔ اسی کے ایک ماہ بعد ایک دوسری آراضی اسمہا مجریہ انہیں بھائیوں کے ہاتھ ۸ محرم الحرام ۱۱۷۱ ہجری کو مبلغ دس روپیے میں رہن کی گئی۔ یہ زمانہ شاہ عالمگیر ثانی کا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میر عصمت علی اور میر رحمت علی میر روشن علی حیدری کے زمانہ میں جائس میں تھے اور غالباً میر حسین علی نصیرآباد منتقل ہو ئے۔

میر ابوالحسن کی بیٹی شبیر باندی جو میر نوازش حسین کو بیاہی تھیں ان سے صرف ایک بیٹی ہوئی جس کا نام فہیم النساء تھا وہ اپنے برادر عم زاد سید اشفاق حسین بن اولاد حسین سے منسوب ہوئیں۔

میر ابوالحسن کا انتقال ۱۳ محرم ۱۳۲۳ ہجری مطابق ۱۹۰۵ عیسوی میں ہوا اور ان کی بیٹی بی بی لبتوا نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ عیسوی میں انتقال کیا۔

میر ابوالحسن کی شادی نصیرآباد میں میر مجتبیٰ حسین کی دختر بی بی سکینہ کے ساتھ ہوئی تھی جو ابوالحسن کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں۔ اس طرح میر الطاف حسین اور بی بی لبتوا حقیقی خالہ زاد بھائی بہن تھے۔

سیّد اولاد حسین بن منشی سید حسین

منشی سید حسین کے بڑے صاحب زادے سید اولاد حسین ۱۲ شوال ۱۲۵۷ ہجری مطابق ۱۸۴۵ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ بڑے تندرست طیم شحیم اور طاقت ور تھے ساتھ ہی متناسب ناک نقشہ والے اور گورے رنگ والے انسان تھے۔ ان کی طاقت اور بہادری کے بہت سے قصّے مشہور ہیں۔ اپنے برادر عم میر ابوالحسن کے "گوئے" پر برابر جایا کرتے تھے ایک بار وہاں کچھ لوگ درخت کے ایک، موٹے اور بھاری تنے کو آرا کشی کی غرض سے کھسکا رہے تھے اور وہ کھسک نہیں رہا تھا۔ میر اولاد حسین آگے بڑھے اور تن تنہا زور لگا کر اس لکڑی کے تنے کو کھسکا دیا۔ بڑا کسرتی بدن تھا اور بڑے بہادر مگر بے حد غصّہ ور بھی تھے۔ میر پناہ علی کے گھرانے سے خاندانی نزاع جو غالباً جائیداد کی حقیت اور بٹوارے کے سلسلہ میں پیدا ہوئی تھی اِسے میر اولاد حسین نے اپنے بل بوتے اور طلاقت زبانی سے ہوا دے کر بڑھا دیا تا این کہ خاندانی رنجش کا یہ سلسلہ کم و بیش (۱۰۰) سال جاری رہا۔ میر پناہ علی اور میر اولاد حسین میں برابر کھینچا تانی اور لسانی تکرار ہوا کرتی تھی۔

میر پناہ علی تو اپنے والد میر احسان علی اور چچا میر سرفراز علی کے وسیلے سے منشی غلام حسن، منشی غلام حسین اور منشی غلام رضا کی جائداد پانے پر فطرتاً بڑے قوی پشت تھے مگر یہ صورت حال میر اولاد حسین کو اس لحاظ سے ناقابل قبول تھی کیوں کہ وہ اپنے باپ دادا کے بھائیوں کی جائداد کو ذہنی طور پر اپنی ملکیت تصوّر کرتے تھے۔ جائداد کے بٹوارے کا مقدمہ جعفری بیگم (زوجہ ڈپٹی غلام حیدر) اور حرماں نصیب کنیز زہرا (زوجہ احسان علی) کے درمیان کافی عرصہ تک چلا۔ یہ دونوں غلام رضا کی بیٹیاں تھیں۔ میر اولاد حسین کی طرف منشی غلام رضا کی جائداد کا کچھ بھی حصّہ شرعاً یا قانوناً نہ آیا شائد یہی وجہ میر پناہ علی وغیرہ اور خاندان میر غلام امام رضوی (عرف چنڈئی) کے مابین ایک طویل سرد جنگ اور آپسی رنجش کی تھی۔

میر اولاد حسین اور میر پناہ علی وغیرہ کے درمیان رنجش کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میر غلام امام (چنڈئی) کی حقیقی بہن بی بی خیر النساء (بی بی خیرن) جو اپنے برادر عم زاد منشی غلام رضا کو بیاہی تھیں۔ انھوں نے اپنے اکلوتے بھائی غلام امام کے بیٹوں سے باپ کی جائداد میں اپنے حق شرعی (دختری) کا مطالبہ کیا اور اسے حاصل کر کے اپنے نواسوں یعنی میر احسان علی کے فرزندوں (میر پناہ علی، میر مراد علی و میر نوروز علی وغیرہ کو دے دیا۔ بعد میں انھیں آراضیات کی حقیت کے بارے میں میر اولاد حسین و

میر پناہ علی وغیرہ میں مقدمہ بازی ہوئی۔ ایک اور سبب دونوں کے مابین عدالتی تگ و دو کا یہ بھی تھا کہ میر سید اولاد حسین کے والد منشی سید حسین نے کچھ رقم میر سرفراز علی (میر پناہ علی کے خسر) کو ادھار دی تھی جسکی واپسی کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان مقدمہ بازی کی نوبت آئی۔ مسٹر ایس۔ ایچ فری منٹل صاحب آئی سی۔ ایس سٹلمنٹ کمشنر رائے بریلی کی عدالت میں پناہ علی بنام سید اولاد حسین جو مقدمہ نمبر ۲۸۲۹ و ۲۸۳۰ چلا تھا اس کے فیصلے میں سے کچھ حصہ پیش ہے۔

تجویز حاکم

یہ دعویٰ منجانب میر پناہ علی ساکن جائس بابت اندراج حق ماتحتی نمبر ہائے ۲۸۲۹ و ۲۸۳۰ واقع محلہ کنچانہ ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ نمبرات اس سند میں جو سید حسین و محمد حسن کو بعد غدر بابت چوبیس ایکڑ معافی کے عطا ہوئی تھی شامل ہیں۔ بعد ان کی وفات کے جو آراضی کہ سند میں داخل ہے ان کے ورثاء پر تقسیم ہوئے اور یہ نمبرات حصہ ء اولاد حسین میں جس کے نام اب وہ درج ہے پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ بٹوارہ تیرہ برس قبل ہوا تھا۔ پناہ علی کو یہ تسلیم ہے کہ یہ آراضی سند مذکورالصدر میں شامل ہے لیکن ان کا بیان ہے کہ یہ جزو حصہ سماۃ خیر النساء نامی اس کی جدہ ماجدہ (تجویز میں جدہ ناسدہ لکھا ہے) کا ہے اور خیر النساء (بی بی خیرن) نے ان قطعات کو ۱۲۶۶ ہجری میں پناہ علی کو دے دیا تھا بدیں وجہ وقت عطائے سند واقعی قبضہ میرا تھا۔ خیر النساء معافی داران میں سے ایک کے باپ کی بہن تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس سند کے منافع کی حصہ دار تھیں جو سید حسین اور محمد حسن نے بہ حیثیت افسر خاندان حاصل کی تھی۔ پناہ علی کا بیان ہے کہ میں اس وقت سے تا حال قابض ہوں۔

اولاد حسین کو پناہ علی کا قبضہ تسلیم ہے لیکن وہ یہ وجوہات بیان کرتے ہیں کہ میرے (اولاد حسین) باپ نے پناہ علی کے خسر کو (میر سرفراز علی کو) روپیہ قرض دیا تھا اور جب روپیہ کا تقاضہ دس برس اس طرف کیا گیا تو ان کو بارہ روپیہ سالانہ لگان ان دو کھیتوں کا جو اس وقت جربندھن مورائی کے قبضہ میں دس گیارہ برس سے ہیں نیز چھ روپیہ سالانہ جو ابن علی برادر پناہ علی کو ادا کرنا واجب تھا جملہ ۱۸ روپیہ کی دیا نید کرادی گئی تاکہ مبلغ دو سو روپے زر قرضہ گیارہ برس میں ادا ہو جائیں۔ اس طرح میں نے جربندھن مورائی کو آئندہ پناہ علی کو لگان دینے سے روک دیا۔ ایک گواہ جو واقعہ کے ثبوت میں پیش ہوا جس کا یہ بیان ہے کہ میں اس وقت موجود تھا جبکہ ایک اسامی نا معلوم الاسم کو حکم دیا تھا کہ وہ لگان پناہ علی کو نہ دیا کرے۔ شہادت اسامی جربندھن مورائی اور ہر پرشاد پٹواری سابق سے یہ ظاہر ہے کہ پناہ علی

اپنے حق سے قابض رہا نہ کہ بطور جھوگ دار۔ پٹواری جس کی راست بیانی میں مجھے کوئی شک کرنے کی وجوہ نہیں ہے بیان کرتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ کھیت پناہ علی کے قبضہ میں ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے قبضہ میں کیوں کر آئے وہ اولاد حسین کے نام درج ہیں کیونکہ ان کے باپ کو سند میں ملی تھی۔ میں نے پناہ علی کا نام جمعبندی میں نہیں لکھا کیونکہ ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اولاد حسین اس تمام تحقیقات کی جس میں کہ یہ نمبرات داخل ہیں مالگزاری جمع کرتے ہیں۔ القصہ پناہ علی کا قبضہ مسلمہ ہے۔ پناہ علی کا قبضہ بحیثیت جھوگ دار نہ ثابت ہوا نہ میرے یقین میں قریں قیاس ہے۔ میں پناہ علی کے قبضہ کو بجز بہ حیثیت قبضہ ماتحت دار کچھ نہیں کہہ سکتا لہٰذا اسی حق سے ان کا نام درج کاغذات ہوگا۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ میر اولاد حسین کی شادی نصیرآباد میں میر مجتبیٰ حسین کی دختر زہرا بی بی کے ساتھ ہوئی تھی جو ان کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ میر مجتبیٰ حسین کی دوسری عورت سے مومنہ اور محسنہ نامی دو بیٹیاں اور تھیں ان میں سے ایک یعنی مومنہ جائس میں سید عبدالحسین بن سید محمد (خان بہادر) کو بیاہی تھی۔ ان معظمہ سے تین بیٹے اشارت حسین بشارت حسین اور نظارت حسین اور ایک بیٹی بی بی شکن زوجہ میر وصی علی تھیں۔ مومنہ زہرا بی بی کی سوتیلی بہن تھیں اس بنا پر بشارت حسین وغیرہ اور نقی علی کے گھرانے سے یہ خصوصی قرابت پیدا ہوئی ویسے سید عبدالحسین اور میر اولاد حسین پچھلی قرابت کے اعتبار سے بھائی بھائی تھے ان دونوں کے باپ یعنی میر سید حسین اور خان بہادر سید محمد حقیقی ماموں زاد پھوپھی زاد بھائی تھے۔

میر اولاد حسین کی شادی نصیرآباد میں میر مجتبیٰ حسین کی دختر بی بی زہرا کے ساتھ ہوئی تھی جو ان کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں۔ بی بی زہرا کی دوسری بہن بی بی سکینہ بھی اسی خاندان میں میر ابوالحسن کو بیاہی تھیں۔ بی بی زہرا نے ۱۶ ر شعبان ۱۳۲۱ ہجری/۹۰۲ عیسوی کو انتقال کیا۔ اور میر اولاد حسین کا انتقال ۱۷ ر صفر ۱۳۱۵ ہجری مطابق ۸۹۸ میں ہوا۔ تین بیٹے یعنی الطاف حسین، اشفاق حسین اور ساجد حسین اور دو بیٹیاں بی بی بگمن (زوجہ اکبر حسین) اور امتہ الحسنین (زوجہ سید احمد) عقب میں چھوڑے۔

میر نوازش حسین

میر سیّد حسین کے چھوٹے بیٹے نوازش حسین عرف نجن میاں ۲۱ محرم ۱۲۷۰ ہجری مطابق ۱۸۵۸ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ تعلیم زیادہ حاصل نہیں کر سکے نہ ہی کہیں ملازمت کی۔ باپ کی زمین جائیداد کھیت و باغات ہی معشیت کا ذریعہ رہا۔ میر سید حسین نے موضع پرتاپ پور ضلع کانپور میں جو گاؤں اپنے بھانجے میر حمزہ علی سے ۱۸۵۲ عیسوی میں خریدا تھا میر نوازش حسین وہاں بطور زمیندار برابر جاتے رہتے تھے مگر پتہ نہیں کن حالات کے تحت انھوں نے اپنا حصّہ بیچ ڈالا اس سے پہلے ورثائے میر محمد حسن بھی اس گاؤں میں اپنا حصّہ بیچ چکے تھے۔ میر نوازش حسین اور ان کے بڑے بھائی میر اولاد حسین کو جو رہائشی مکان اپنے باپ سید حسین سے وراثت میں ملا تھا وہ خاندان کا پرانا اور بعد میں بنے ہوئے دوسرے مکانوں سے چاروں طرف سے گھرا تھا اور دونوں بھائیوں کے بڑھتے ہوئے کنبے کے لئے قطعاً ناکافی تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر کہ گھر کے اندر صرف خواتین سوتی تھیں اور مرد گھر کے باہر یا امام باڑہ بڑا دروازہ پر سوتے تھے۔ میر نوازش حسین نے اپنے بڑے بھائی کے بیٹوں کے لئے متبادل رہائشی مکانوں کا انتظام کر دیا۔ اور انکے کنبہ کے افراد ان حصّہ میں منتقل ہو گئے۔ میر فتح علی کے دیوان خانے کی زمین منشی کلب حسن، کلب حسین اور منشی غلام مہدی بنّون منشی غلام رضا سے ۱۸۶۳ عیسوی میں اولاد حسین و نوازش حسین پہلے ہی خرید چکے تھے۔ اس زمین پر اپنی نگرانی اور الطاف حسین کے روپیوں سے میر نوازش حسین نے "الطاف منزل" کے نام سے پختہ دو منزلہ مکان بنوا کر الطاف حسین کو دیا۔ اپنے والد کے پرانے مکان سے ملحق پورب جانب "نیا گھر" بنوا کر اشفاق حسین و ساجد حسین کے کنبے کو اس گھر میں منتقل کیا۔ بعد میں میر ساجد حسین نے اپنا ذاتی مکان پختہ دو منزلہ مکان الطاف منزل کے متصل بنوایا۔ ۱۹۰۷ء میں الطاف حسین اپنے نئے مکان الطاف منزل میں منتقل ہوئے۔

دیوان خانہ میر فتح علی والی زمین جس پر الطاف منزل تعمیر کی گئی تھی اس سے ملحق شمال جانب جو زمین میر سید حسین نے اپنے پھوپھی زاد بھائی میر محمد حسین ہیٹھیکار سے ۱۸۴۶ عیسوی میں خریدی تھی وہ تا حال افتادہ پڑی ہے اور کوئی عمارت اس پر نہیں بنی۔

میر نوازش حسین کی پہلی شادی ان کے چچا زاد بھائی میر ابو الحسن کی بیٹی عباس

باندی کے ساتھ ہوئی تھی یہ زوجہ بہت عرصہ حیات نہ رہیں ان کے بطن سے صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کا نام فہیم النساء تھا۔ فہیم النساء کی شادی سید اشفاق حسین بن اولاد حسین کے ساتھ ہوئی۔ ایک بیٹی واعظی اس سے ہوئی جو دس بارہ برس کی عمر میں وفات پاگئی۔ واعظی کی ولادت ۱۹۰۲ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۱۴ عیسوی میں۔ فہیم النساء نے ۳ر مئی ۱۹۰۷ء کو بعارضہ دق اس دار فانی سے انتقال کیا۔

میر نوازش حسین نے دوسری شادی نصیرآباد میں میر سرفراز حسین کی دختر کے ساتھ کی جن کا نام بی بی بقرعیدن تھا یہ راقم الحروف کی جدّہ ماجدہ تھیں ان کا مختصر شجرۂ نسب ننھیالی اور دادھیالی دونوں ذیل میں درج ہے۔

جدّہ معظمہ بی بی بقرعیدن کا ننھیالی شجرہ نسب:۔

قاضی محمد امین
↓
قناعت علی عرف نورالہدیٰ
↓
بی بی ہوجا (زوجہ نذر علی)
↓
بی بی فاطمہ (زوجہ بشیرالدین)
↓
- بی بی غنیمت (زوجہ علی جواد نصیرآباد)
  ↓
  - سید سرفراز حسین
    ↓
    - بی بی بقرعیدن (زوجہ نوازش حسین)
    - سید حسین (لکھنؤ)
  - سید نادر حسین
- بی بی باندی (زوجہ سید حسین)
  ↓
  سید فیض حسین
  ↓
  - والدۂ محمد باقر (عرف جھبو)
  - طفیل حسین

جدّہ معظمہ کا دادھیالی شجرہ نسب:۔

سیّد جلال الدین
↓
سیّد ملوک
↓
سید مرتضیٰ عرف ضیاءالدین
↓
سید فیروز
↓
سیّد نوراللہ
↓
سیّد فصیح الدین
↓
سید اکبر علی
↓
سید اصغر علی
↓
سید علی جواد (نصیرآبادی)
↓
- سید سرفراز حسین
  ↓
  بی بی بقرعیدن (زوجہ نوازش حسین)
- سید نادر حسین (لکھنؤ)
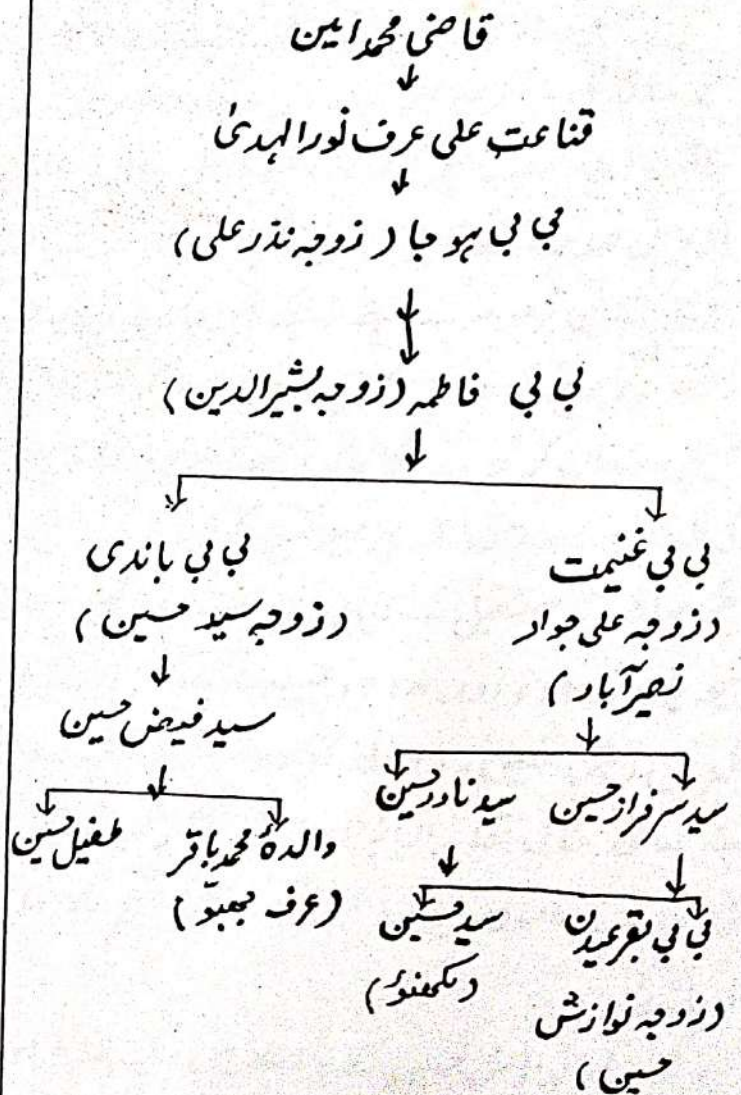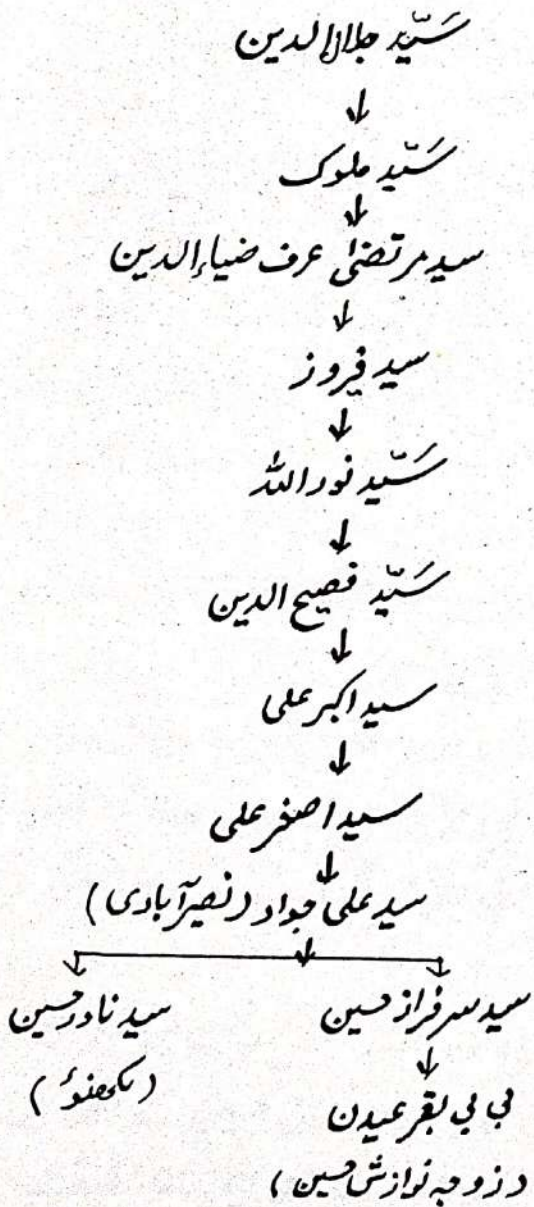
جدّۂ معظّمہ بی بی بقر عیدن کے ننھیالی شجرہ کو دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ معظّمہ کی دادی بی بی غنیمت اور طفیل حسین و والدۂ محمد باقر عرف جھبّو کی دادی بی بی باندی دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ میر نوازش حسین کے بیٹے میر طفیل حسین کو ماموں اور میر محمد باقر عرف جھبّو کو بھائی کہتے تھے۔ جدّۂ معظمہ بی بی بقر عیدن نے جنوری ۱۹۰۳ عیسوی میں وفات پائی۔ آپ کے انتقال کے دس ماہ بعد میر اولاد حسین کی اہلیہ زہرا بی بی نے بھی انتقال کیا۔ ایک ہی گھر کی بزرگ پرانیوں کے جلد جلد انتقال کے بعد میر نوازش حسین نے یہ محسوس کیا کہ ان کے گھر میں کسی بزرگ خاتون کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے جب وہ دوسری شادی کر لیں یہ اس لئے ضروری معلوم ہوا کیونکہ ان کے بچے نو دس برس کی عمر کے تھے جبکہ ماں کا انتقال ہوا۔ اس لئے اپنی اہلیہ بی بی بقر عیدن کے انتقال کے ایک سال بعد ہی میر نوازش حسین نے تیسری شادی کرنے کا تہیہ کر لیا اور اس کے لئے انھوں نے اپنے ایک عزیز کو جو نصیر آباد کے رہنے والے تھے ۶ دسمبر ۱۹۰۳ء کو ایک خط لکھا۔

میر نوازش حسین نے اپنی تیسری شادی نصیر آباد میں میر نجابت حسین کی بیٹی ذاکرہ بیگم کے ساتھ کی۔ مگر یہ بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں۔ اور ایک بیٹا مختار احمد اور ایک بیٹی صالحہ خاتون اپنے عقب چھوڑ کر ۱۳۳۶ھ میں وفات پا گئیں اس طرح میر نوازش حسین کو یہ تیسرا ازواجی صدمہ اٹھانا پڑا کہا جاتا ہے کہ مرحومہ کے انتقال کے بعد یہ معلوم ہوا کہ سارا زیور اور قیمتی سامان مرحومہ نے اپنے مائیکے بھجوا دیا تھا یہ صدمہ معتزاد تھا اس کے بعد وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۱ عیسوی کو انتقال کر گئے۔ جدّہ معظّمہ ذاکرہ بیگم کا زیورات اور قیمتی سامان کو گھر سے نکال لاکر اپنے میکے بھجوا دینے کا جو مقصد تھا وہ یہ کہ جب وہ اپنی بیماری کی طوالت سے اس نتیجہ پر پہونچیں کہ اب زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکیں گی تو اپنے بچوں خصوصاً بیٹی صالحہ کے مستقبل کے خیال سے ایسا کیا۔ گھر میں دو بہوئیں یعنی حسن احمد اور حسین احمد کی بیویاں ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ عیسوی کے درمیان وفات پا چکی تھیں۔ محمد احمد کی اہلیہ دوسرے گھر میں رہتی تھیں۔ اس لئے گو دوسروں کی ریشہ دوانیوں اور حکمتِ عملی کے لئے آسانی کے ساتھ خالی تھا۔ ان زیورات کو حاصل کرنے کے لئے چچا مختار احمد نے بعد میں بہت کوشش کی اور اپنے ماموں سید ظفر کی بیٹی عابدہ بیگم کے ساتھ عقد بھی کیا مگر وہ زیورات پھر انھیں نہ مل پائے۔

میر نوازش حسین کے بارے میں ایک غلط اور گمراہ کن تصوّر بعض لوگوں میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے جائیداد کی آمدنی میں اپنے بھتیجے اور داماد سید اشفاق حسین کے حصّے میں سے اپنی نواسی واعظی بنت اشفاق حسین کا حصّہ طلب کیا اور لے بھی لیا۔ اس حقیقت

کی اصلیت کیا ہے اور انھوں نے ایسا کیوں کیا اس کی صحیح وجہ جان لینا ضروری ہے۔ اشفاق حسین کی پہلی بیوی فہیم النساء کا انتقال ۱۹۰۷ء میں ہوا وہ صرف ایک بیٹی واعظی سات سال کی چھوڑ کر تپ دق میں مریں۔ اشفاق حسین نے ۱۹۰۸ء میں دوسری شادی کی جس سے ایک بیٹا غلام صادق ستمبر ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوا اسی کے چند ماہ بعد مئی ۱۹۱۱ء میں خود اشفاق حسین کی وفات ہوگئی۔ اور اس وقت غلام صادق ابھی ماں کی گود سے باہر بھی نہیں آیا تھا تا آنکہ ستمبر ۱۹۱۱ء میں وہ بچہ بھی ایک ہی سال کی عمر میں جاتا رہا۔ میر نوازش کا کہنا تھا کہ اشفاق حسین کے انتقال کے بعد اُن کے حصّہ کا وارث شرعاً وہ بچہ غلام صادق ہوا۔ اور اس بچے کے فوت ہو جانے پر وہ حصّہ اس کی ماں کی طرف منتقل ہوا۔ اور ماں غیر جگہ اور غیر خاندان کی فرد تھی (سانڈا سادات ضلع رائے بریلی) پھر وہ بھی شادی کے صرف تین ہی سال بعد بیوہ ہو گئی۔ ایسی صورت میں اس کے امکانات قوی تھے کہ اشفاق حسین کی بیوہ کہیں دوسری شادی کر لیگی اور جائیداد کا حصّہ اپنے ساتھ لے جائے گی۔ اس لئے انھوں نے دطور روی اپنی نواسی واعظی کا حصّہ اشفاق حسین کی جائیداد میں لے لیا۔ اُن کے اس عمل کی خاندان میں کسی نے مخالفت بھی نہیں کی۔ ان کے بھانجے سید امیر الحسن نے اس خیال کی تائید بھی کی اسکے علاوہ میر نوازش حسین کے بھتیجے الطاف حسین اور ساجد حسین نے بھی کوئی اختلاف نہیں ظاہر کیا۔ البتہ مسماۃ اچھن بی بی بیوہ اشفاق حسین نے اس کا یہ جواب دیا کہ اپنا کل حصّہ سید اشفاق حسین بن سید الطاف حسین کے نام زبانی ہبہ کر کے اس خیال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

میر نوازش حسین کی زوجہ ثانیہ سے تین لڑکے محمد احمد، حسن احمد اور حسین احمد ہوئے۔ اور ایک بیٹی ناظمی ہوئی جس کی شادی انھوں نے اپنے بھانجے سید امیر الحسن بن سید ہدایت حسین کے ساتھ کی۔ ناظمی کا عقد ۳۰ر اگست ۱۹۰۶ عیسوی مطابق ۹ر رجب ۱۳۲۴ ہجری کو ہوا۔ عقد مولوی رضی حسن اور مولوی سید علی نقی نے پڑھا تھا۔ افسوس کہ ان محترمہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور وہ خود بمشکل پانچ برس زندہ رہ کر اس دار فانی سے ۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۹ ہجری بمطابق ۱۹۱۱ عیسوی کو کوچ کر گئیں۔ ناظمی کی وفات پر منشی غلام مہدی نے جو قطع تاریخ نظم کیا ہے وہ ذیل میں پیش ہے۔

آہ اے چرخ پیر کج رفتار ۔۔۔ تو نے یہ کیا ستم کیا ایجاد

کل نوازش حسین کی دختر ۔۔۔ ناظمی نیک ذات نیک نہاد

حسرتیں دل میں لے کے سوئے عدم ۔۔۔ گئی باغ جہاں سے وہ ناشاد

سید شبیہ الحسن، مسجد کے چبوترے پر میر تصدق حسین، اس کے آگے میر منیر علی و میر نصیر علی بڑے دروازے کے پاس اپنے چبوترے پر میر امیر الحسن۔ امام باڑہ کے چبوترے پر خاصہ مجمع غرض کہ پورا محلہ نلہ بہ بڑا پر رونق و گلزار رہتا۔ پوری گلی میں بچوں کی چہل پہل سچ بات تو یہ ہے کہ یہ رونق ایک ذات کی وجہ سے تھی اور یہ ذات میر الطاف حسین کی تھی۔ محفل نوازی کی ساری دلچسپیاں وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اپریل ۱۹۴۲ء کو یہ پر عظمت اور باوقار شخصیت ۳۷ سال کی عمر میں اپنے عقب میں پوری محفل کو سنسان کر گئی۔

منشی میاں کی شادی محلہ سیدانہ میں سکینہ باندی کے ساتھ ہوئی تھی جو منشی کرم علی مہجور کے خاندان کی تھیں۔ میر اطہر حسین عرف عطو ان کے بھائی اور نثار حسین (منق) ان کے چچا تھے۔ سکینہ بی بی بھی بڑی بارعب اور خوش تدبیر عورت تھیں ان کا انتقال ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ منشی میاں کی بڑی بیٹی کاظمی سید محمد احمد بت نوازش حسین کو بیاہی تھیں۔ بغیر کوئی اولاد چھوڑے یکم ستمبر ۱۹۰۳ عیسوی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ دوسری بیٹی عابدہ خاتون سید امیر الحسن کے ساتھ منسوب ہوئیں۔ ۱۳ر مئی ۱۹۱۴ء کو دونوں کا عقد ہوا۔ عابدہ بھی بہت جلد بعارضہ تپ دق مرحوم ہو گئیں۔ تیسری بیٹی زاہدہ ناکتخدا رہی۔ منشی میاں کے چار بیٹے ہوئے سید مشتاق حسین، سید امداد حسین، سید غلام باقر و سید غلام ثامن۔ منشی میاں نے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی اسی کی وجہ سے سرکاری ملازمت میں ترقی کی آپ نے اپنے لڑکوں کو بھی انگریزی کی اونچی تعلیم دلوائی تھی۔ اور ملازمت بھی نمایاں حاصل کی مگر افسوس کہ اس خاندان نے جو ترقی کی تھی وہ ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان کی وجہ سے اور آگے نہ بڑھ پائی۔ مشتاق حسین کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ امداد حسین اور انکے ہونہار بچے ۱۹۴۷ کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے۔ غلام ثامن نے پانچ بیٹیاں چھوڑیں اولاد ذکور کوئی نہ تھی۔ اِس وقت میر اولاد حسین کی نسل غلام باقر کے فرزندوں سے چل رہی ہے۔

سید اشفاق حسین بن اولاد حسین

اپنے خاندان کے منجھلے بھائی (دادا) اولاد حسین کے منجھلے بیٹے تھے۔ اردو فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کر کے سلطانپور میں محکمہ دیوانی میں ملازم ہوئے۔ آپ کے چچا میر نوازش حسین آپ کو بہت چاہتے تھے۔ اپنی بڑی بیٹی فہیم النساء کی شادی اشفاق حسین سے کی گئی مگر یہ معظمہ بہت دنوں تک زندہ نہ رہیں صرف ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام میر نوازش حسین نے طاہرہ رکھا تھا مگر بڑے مولانا مولوی علی حسن صاحب قبلہ نے واعظی نام رکھا۔ فہیم النساء بعارضہ تپ دق ۳ رمئی ۱۹۰۷ عیسوی کو انتقال کر گئیں۔ اس وقت واعظی پانچ برس کی تھی۔ اشفاق حسین نے دوسری شادی موضع مانڈرا سادات ضلع رائے بریلی میں ۱۹۰۸ء میں اچھن بی بی کے ساتھ کی انھیں ہم گو چچی اماں کہہ کر پکارتے تھے۔ ان محترمہ سے ایک بیٹا غلام صادق ۳۰ رستمبر ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش کے صرف سات ماہ بعد ۲۶ رمئی ۱۹۱۱ء کو خود اشفاق حسین اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے اور چند ہی ماہ بعد ۱۰ رستمبر ۱۹۱۱ء کو وہ بچہ غلام صادق بھی جاتا رہا۔ واعظی نے یتیمی کے تین ہی سال گذارے اور بڑی کم سنی میں یعنی صرف بارہ برس کی زندگی گزار کر ۲۳ رمارچ ۱۹۱۴ء کو وہ بھی مالک حقیقی سے جا ملی۔ چچی اماں نے ۲۹ برس بیوگی کے اپنے شوہر کی ڈیوڑھی پر گذار کر ۱۹۴۰ عیسوی میں الہ آباد میں انتقال کیا اور وہیں پیوند خاک ہوئیں۔ میر اشفاق حسین کے اس چھوٹے سے کنبے کی داستان یقیناً بڑی تکلیف دہ اور عبرت ناک ہے افسوس کہ آج اس گھرانے کی ایک فرد بھی باقی نہیں مسماۃ اچھن بی بی جو بیاہ کر اس گھر میں آئی تھیں اور کتنی تمنائیں ان کے دل میں رہی ہونگی مگر افسوس اپنی ازدواجی زندگی کے صرف دو ڈھائی برس میں گوناگوں مصائب جھیلنے کے بعد اپنے پورے کنبے کو سپرد خاک کر کے چپ چاپ بیٹھ گئیں تیس برس جوانی کے گذار کر اپنے بھتیجے امداد حسین کے ساتھ الہ آباد گئیں اور ہمیشہ کے لئے وہیں کی ہو رہیں۔ قدرت کی یہ بھی ستم ظریفی باقی تھی کہ سید مشتاق حسین بن سید الطاف حسین جن کو چچی اماں نے اپنا بیٹا کہہ کر گود لیا تھا وہ بھی نامراد لاولد اس جہان سے گذر گئے۔ منشی غلام مہدی نے اشفاق حسین کی وفات پر جو نظم لکھی اس کے چند اشعار پیش ہیں۔

فلک پیر ہے ستم ایجاد — سفلہ پرور ہے ظالم و جلاد
اس کی گردش سے سب ہیں تنگ — بھلا بھولا ہے کس کا نجل مزاد

ہے تہ آسماں وہ کون بشر ۔ کس پہ اس نے نہیں کیا بیداد
اس کے ہاتھوں سے کس نے پایا چین   دار دنیا سے سب گئے ناشاد
کل کا اک حادثہ ہے پیش نظر   ہے نیا سانحہ نئی روداد
تھے جو اشفاق مرد مومن پاک   ذی مروت خلیق نیک نہاد
ہچکیاں لے کے مرگیا آخر   کی عزیزوں نے نالہ و فریاد
کچھ قضا سے کسی کا بس نہ چلا   عمر کی ختم ہو گئی میعاد
تھی شب جمعہ یوم پنجشنبہ   راہی جنت ہوا وہ نخل مراد
ہوا سارا مکان تیرہ و تار   ہوا گھر کا جو گل چراغ مراد
سن ہجری میں یہ لکھی تاریخ   تا رہے سال فوت سب کو یاد
مہدی ہاتف یہ دے رہا ہے ندا
قصر جنت ملا وہ ہیں دل شاد ۔ ۱۳۲۹ہجری/ ۱۹۱۱ء

منشی غلام مہدی کا ایک دوسرا قطعہ تاریخ اس طرح ہے :۔
بے کلی نے مرے دل کی کیا دل کو بے چین + ہاتھ سے چرخ کہن کے نہ ملا راحت و چین
تھام دل صبر کرو آ گئے لکھو سال وفات + مہدی خاموش رہو اب نہ کرو شیون و شین
از سر آہ ندا دیتا ہے یہ ہاتف غیب + ہو گیا داور جنت پہ اشفاق حسین
۔ ۱۳۲۹ ہجری

سیّد ساجد حسین بن اولاد حسین

میر اولاد حسین کے چھوٹے بیٹے اور اپنے خاندان کے "چھوٹے بھائی" جنھیں ہم لوگ چچا جان کہہ کر پکارتے تھے انتہائی نیک طینت، صاف گو، پاک خصلت، بے حد حلیم الطبع، صفات حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کے مالک، مرنجاں مرنج طبیعت، بے حد متقی پاکیزہ صفات والے، صوم و صلوٰۃ کے پابند ایسے بہترین خوبیوں کے لوگ شاید و باید پیدا ہوتے ہیں۔ حساب کتاب میں کھوٹے کسی کا ایک پیسہ اپنے اوپر نہ رکھتے ہوتا تو اس کو ڈھونڈ کر ادا کرتے جو بات دل میں ہوتی وہی زبان پر ہوتی، کسی کا کبھی دل نہ دکھاتے بات سچی بے لاگ اور حق کی کہتے کسی سے لڑنا تو درکنار کبھی کسی سے تکرار بھی نہ ہوئی ہمیشہ نرم لہجے میں بولتے، اونچی آواز اور گرم زبانی سے ہمیشہ دور رہتے۔ اپنے منجھلے بھائی سید اشفاق حسین کے ساتھ "نیا گھر" میں رہتے تھے۔ ۱۹۱۵ عیسوی میں اپنا ذاتی گھر محلہ تمبانہ میں میر منیر علی کمیدان کے گھر کے سامنے بنوایا۔ پختہ دو منزلہ عمارت جس میں بہترین پہاڑی لکڑیوں کی دھنیاں دروازے لگے تھے تعمیر کے لئے اینٹوں کا بھٹہ لگوایا۔ سرکاری ملازمت میں قانون گو کے عہدے پر یو پی کے بہت سے اضلاع خصوصاً پیلی بھیت، لکھیم پور کھیری، سیتاپور وغیرہ میں رہے۔ جہاں رہے وہاں اپنا ذاتی مکان بنوایا تبادلہ ہوا تو کسی کو دے کر چلے آتے۔ تعمیر مکان کا بہت شوق تھا۔ محلہ تمبانہ میں مسجد شاہ عبداللہ کے پہلو میں پختہ کنواں کھدوایا پانی کھارا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر وطن آ گئے اور تاحیات یہیں مقیم رہے۔ میر ساجد حسین کی ماں نصیر آباد کے میر مجتبیٰ حسین کی بیٹی تھیں۔ نام بی بی زہرا تھا۔ ان کی پہلی شادی نصیر آباد میں سید نشاد حسین عرف میاں جان کی بیٹی امتہ السّیدہ عرف بیبّن کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ بی بی ۲۹ر نومبر ۱۹۰۲ء کو انتقال کر گئیں۔ ان سے صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کا نام بنی باندی عرف نبّن تھا۔ نبّن کی شادی ۵ر جون ۱۹۱۲ء کو سید حسن احمد عرف منّھا بن سید نوازش حسین کے ساتھ ہوئی مگر یہ بھی تین ہی سال کے اندر لاولد فوت ہو گئیں۔ میر ساجد حسین نے دوسری شادی مصطفیٰ آباد (رائے بریلی) میں کی۔ ان محترمہ کا نام بی بی محبیب النساء تھا ان سے صرف ایک بیٹی طاہر النساء ۳ر مئی ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئی عرفیت للّن تھی یہ ابھی ڈیڑھ سال کی تھیں کہ محبیب النساء کا بھی انتقال ۱۹ر نومبر ۱۹۱۱ء میں ہو گیا۔ اس وقت گود میں دو بیٹیوں (بنی باندی اور للّن) کو چھوڑ کر کوئی دوسری عورت نہ تھی۔ اسی سال انکے منجھلے بھائی اشفاق حسین اور ان کا اکلوتا

شیر خوار غلام صادق بھی مرحوم ہو چکے تھے۔ ان کی بیٹی واعظی بھی گھر میں یتیم و تنہا رہ گئی ایسی صورت میں چچا ساجد حسین نے ان بے سہارا بھتیجیوں کی پرورش اور تربیت کی خاطر تیسری شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۵ر جون ۱۹۱۲ء کو بتی باندی کی شادی کرنے اور ۲۲ر مارچ ۱۹۱۴ء کو واعظی بنت اشفاق حسین کے اچانک انتقال کے بعد میر ساجد حسین نے تیسری شادی موضع پٹی سادات ضلع فتح پور میں میر ناظم حسین رئیس کی بیٹی بی بی آم لیلیٰ کے ساتھ کی۔ یہ شادی ۱۹۱۴ عیسوی میں ہوئی۔ پٹی سادات ضلع فتحپور میں سادات نقوی (بخاری) بڑے صحیح النسب ہیں جو سید السادات مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال بخاری کی نسل طیبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ سید جعفر حسین بن سید پرورش علی کا خاندان امتیازی ہے۔ اس شادی میں واپسی بارات کے وقت براہ مانک پور دریائے گنگا کے کچھار میں جیٹھ کی لو دھوپ کی شدت سے منشی میاں الطاف حسین کو لو لگ گئی اور وہ بے حال ہو گئے مگر زندگی تھی اللہ نے بچا لیا۔

میر ساجد حسین اپنے چچا زاد بھائیوں حسن احمد اور حسین احمد کو بے انتہا چاہتے تھے اور ان بھائیوں کے وطن میں آنے کے موقع پر زیادہ سے زیادہ وقت وہ ان لوگوں کے ساتھ گذارتے تھے۔ تیسری شادی سے ایک بیٹا سید حسین عرف لڈن ۱۹۱۵ء میں ایک بیٹی محمدی بیگم ۱۹۱۷ء میں اور بعد میں ایک اور بیٹا سید علی پیدا ہوا مگر وہ بعد میں جاتا رہا۔ دوسری زوجہ سے جو بیٹی طاہر النساء عرف ملن پیدا ہوئی تھی اس کی شادی انھوں نے اپنے بھتیجے غلام باقر بن الطاف حسین کے ساتھ کی اور تیسری زوجہ کی بیٹی محمدی بیگم کی شادی اپنے دوسرے بھتیجے غلام ثامن کے ساتھ کی۔ سید حسین عرف لڈن کو اونچی تعلیم دلوائی۔ انھوں نے لکھنؤ یونی ورسٹی سے ۱۹۴۰ء میں بی۔ ایس۔ سی کیا اور محکمہ سنٹرل ایکسائز میں انسپکٹر ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں سید حسین وطن چھوڑ کر بسلسلۂ ملازمت پاکستان چلے گئے بفضلہ اب بھی حیات ہیں۔ سید حسین کے پاکستان چلے جانے کی صورت میں ان کا مکان کسٹوڈین آف ایویکوی پراپرٹی نے لے لیا اور نیلام کر دیا۔ اپنے چچا کے اس مکان کو راقم الحروف نے ۱۹۵۸ء میں بر وقت نیلامی کسٹوڈین سے خرید لیا۔

میر ساجد حسین اپنی بیٹی محمدی کی شادی کے بعد بیمار رہے۔ حبس البول کی شکایت بہت عرصہ سے تھی طبی امداد سوا آپریشن کے ممکن نہ تھی زندگی کے دن جولائی ۱۹۳۸ء میں پورے ہو گئے۔ اس نیک نفس انسان نے اپنی جان جہان آفریں کے سپرد کیا۔

سیّد محمد احمد بن نوازش حسین

سید محمد احمد میر نوازش حسین کی زوجۂ ثانیہ سے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ جو ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۰۲ ہجری مطابق ۱۸۸۴ عیسوی کو پیدا ہوئے کہتے ہیں کہ بچپن میں ان کو شیر کا گوشت یا چربی کھلادی گئی تھی اس لئے بڑے ہوکر یہ بہت غصّہ ور اور غیظ و غضب کے انسان نکلے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کسی پڑھے لکھے گھر میں کسی بچّے کو حرام چیز کھلادی جائے پھر بھی یہ بات سچی ہے کہ وہ بڑے غیظ پرور اور حد درجہ قہر آفریں مزاج کے انسان تھے۔ ذرا سی بات پر بھی بے پناہ غصّہ آجاتا تھا۔ درمیانہ قامت کے پستہ قد اور پھر یرے بدن والے مگر آواز حد درجہ پاٹ دار خاندان بلکہ محلہ کے سارے بچے ان کی صورت سے تھرّاتے تھے کسی بچے کو غلط کام یا کوئی غلطی کرتا پکڑ لیتے تو سخت سزا دیتے۔ عورتیں اپنے بچوں کو ان کا نام لیکر ڈراتی تھیں سب بچے ان کو "بابا جان" کہہ کر پکارتے تھے اس سخت مزاجی کے باوجود بڑے بزلہ سنج اور پر مذاق انسان تھے، شاعر بھی تھے اور مزاحیہ اشعار کہتے تھے۔ تخلص ان کا مذاق تھا۔ رائے بریلی میں سرفراز حسین کے بیٹے رونق حسین کے ساتھ مل کر ایک اخبار "ذوق رائے بریلی" ہفتہ وار نکالتے تھے۔ بڑے خوش نویس تھے اس لئے اخبار کی ادارت کے ساتھ ساتھ کتابت طباعت، سنگ سازی اور مشین مین کا کام بھی کرتے تھے۔ زندگی کی دوڑ اور معاشی و معشیت کی ٹکروں نے ان سے بہت سے کام کرائے۔ ملتھی بڑھئی سے نجّاری کا کام سیکھا بہت دنوں تک اس کام میں لگے رہے۔ بندوق کی نال پر پالش کرنے کا کام بھی کیا۔ سب سے پہلے جائس میں برف منگاکر برف فروشی کا کام کیا۔ مجالس میں بہترین سوز خوانی کرتے تھے آواز پاٹ دار تھی مرثیہ خوانی ماتمی جلوس میں کرتے تھے۔ انجمن حسینی جائس کے انتہائی سرگرم اور مخلص ممبر مرتے دم تک رہے۔ کافی دنوں تک انجمن کے سکریٹری بھی رہے۔ انجمن حسینی اور محمد احمد لازم و ملزوم تھے جب تک زندہ رہے کسی نے انجمن کے خلاف ایک لفظ منہہ سے نکالنے کی ہمت نہ کی ان کے مرتے ہی خود انکے بھائی بھتیجوں نے انجمن حسینی سے علاحدگی کر کے ایک دوسری انجمن "انجمن ہاشمی" کے نام سے بنائی جس کے قیام کو ۵۶ برس ہو چکے ہیں۔

محمد احمد بڑے سوشل ورکر اور کام کے آدمی تھے خان بہادر سید کلب عباس

کے الیکشن (ایم۔ایل۔سی) میں دن و رات محنت کرکے اُنھیں کونسل کی ممبری میں کامیابی دلوائی۔ اسی طرح راجہ سید ابو جعفر آف پیرپور کے الیکشن میں کام کرکے انہیں اجتایا۔ دونوں نے اس کارگردگی کے لیے سرٹی فکیٹ دیئے۔ عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین سے بڑے دوستانہ تعلقات بچپن سے تھے۔ ۱۹۳۹ء شیعہ ایجی ٹیشن میں مولانا کلب حسین کے ساتھ محمد احمد صاحب نے بھی اپنی گرفتاری آصفی امام باڑے میں دلوائی۔ فتح گڑھ جیل میں دو مہینے قید رہے۔ جیل سے لوٹے تو جائس میں شیعہ سنی تنازعہ میں بلوہ ہوگیا۔ اگست ۱۹۳۹ء میں پھر جیل جانا پڑا۔ اس بار ایک مہینہ کے لئے رائے بریلی جیل میں رہے

میر ناصر علی سے ان کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ عبد الجلیل انصاری عرف جلّو عطار، سلّھی نجار اور حمید د ٹیلر ماسٹر بھی ان کے بہترین دوستوں میں تھے۔ مزاحیہ شاعری کرتے تھے مذاق تخلص تھا ان کے ہم عصر نصیر علی دلگی بھی محلہ ہاشمی کی ایک فرد تھے۔ دونوں کے مزاحیہ کلام مشاعروں میں جان ڈال دیتے تھے۔ ساجد حسین فہیم جائسی سے شاعرانہ تلمذ تھا۔

اپریل ۱۹۸۱ء میں انجمن حسینی کے ساتھ رائے بریلی چہلم کے جلوس میں گئے تھے وہاں سے بیمار واپس آئے تو پھر نہ سنبھلے صرف ایک ہفتہ کی مختصر علالت کے بعد ۲ رمئی ۱۹۸۱ء کو اچانک انتقال کر گئے یہ ۷ ربیع الاول ۱۳۶۰ ہجری کی تاریخ تھی اور امام حسن عسکری ؑ کی شہادت کا تابوت رکھا تھا۔ دو بیٹیاں اور تین نواسیاں چھوڑ کر عالم لقا کو سدھارے۔

محمد احمد کی پہلی شادی بڑی کمسنی میں میر الطاف حسین کی بیٹی کاظمی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس وقت محمد احمد کی عمر ۱۷ یا ۱۸ سال کی تھی۔ یہ شادی بارآور نہ ہوئی اور سال ڈیڑھ سال کے اندر یکم ستمبر ۱۹۰۳ء کو کاظمی نے انتقال کیا۔ محمد احمد اس وقت صرف انیس ۱۹ سال کے تھے۔ دوسری شادی انھوں نے میر تصدق حسین کی ایما سے یا ساجد حسین فہیم جائسی کی شاگردی کی وجہ سے میر بنی جان سید الوی کی دختر حشمتی بیگم کے ساتھ کی حشمتی بیگم کی والدہ عباس حسینی تحصیلدار کی بیٹی اور زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی مجتہد العصر کی نواسی اور ساجد حسین فہیم کی حقیقی بہن تھیں۔

حشمتی بیگم جب محمد احمد کے ساتھ بیاہ کر سسرال میں آئیں تو اپنے ساتھ خاندان اجتہاد کی نواسی ہونے کا شرف بھی لائیں۔ اس لئے ان سب ہی شرعی اصول و آئین و دستور کی پابندی کی مجبوریاں بھی لے کر آئیں جن کی وجہ سے خاندان کے مردوں سے شرعی

پردہ کرنا ضروری سمجھا جو ایا" محمد احمد سے خاندان کی عورتوں نے پردہ شروع کردیا اور محمد احمد کی زندگی تک یہ طریقہ بدستور جاری رہا۔ حشمتی بیگم میر نوازش حسین کی بڑی بہو اور ہمارے خاندان کی بزرگ خاتون تھیں انھیں ہم لوگ اماں جان کہتے تھے اپنے شوہر کی مفارقت کے ستائیس سال بعد جون ۱۹۶۸ء میں محترمہ نے انتقال کیا۔

میر محمد احمد کی بڑی بیٹی شاکرہ خاتون یکم مارچ ۱۹۱۰ عیسوی کو پیدا ہوئی تھی جو طالب عباس بن سید طفیل حسین (سیدانوی) کے ساتھ ۱۹۲۵ء میں منسوب ہوئی۔ تیئس سال کی ازدواجی زندگی گذار کر فروری ۱۹۴۸ء میں انتقال کرگئی۔ مرحوم کا ایک بیٹا وفا عباس (پاکستان) اور دو بیٹیاں باشرہ اور حاجرہ یادگار ہیں۔ محمد احمد کی دوسری بیٹی فصیح النساء عرف امیرن ۱۵ر اپریل ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئی۔ بڑی نیک نفس اور خوش مزاج اور بے حد محبتی تھیں اپنے برادر عم زاد سید آلِ احمد عرف میرن کے ساتھ جون ۱۹۴۳ء میں شادی ہوئی۔ ایک بیٹی اگست ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئی تھی جو آٹھ نو ماہ بعد اپریل ۱۹۵۶ء میں انتقال کر سرزمین اٹاوہ میں پیوند ہوئی۔ فصیح النساء مارچ ۱۹۶۰ء تین بچے کی ولادت پر انتقال کرگئیں کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

محمد احمد مذاق کا مزاحیہ کلام :-

اس مہہ انور کے چہرے کی برودت دیکھئے ہوگئی کافور میری کل حرارت دیکھئے
چیتھڑوں سے تنگ گیا ناقوں کی نوبت آ گئی ان کی الفت میں بنی میری حجامت دیکھئے

بڑھاپا آ ہی گیا اب جوان کیسے بنوں ڈبل تو پاس نہیں پھر بھلا خضاب کہاں
نہ وھسکی ہے نہ برانڈی نہ تاڑی و ٹھرا یہ بزم وغط ہے احمق یہاں شراب کہاں
کہا یہ نجد میں مجنوں نے اپنے والد سے حضور قبلہ و کعبہ یہاں جناب کہاں

کالی گھٹا سیاہیٔ چشم بتاں نہیں مہندی کا رنگ خون دل عاشقاں نہیں
پھر آئیں گے کبھی تری محفل میں ساقیا ہے بھیڑ انتظار کی فرصت یہاں نہیں

میلا پانی بہا جو نالی میں — ہوگا چالان کوتوالی میں
یار نتھنوں چنے نہ چبواؤ — نہ بھرو چھرّے اس دونالی میں
یہ نزاکت نہ دید ہے نہ شنید — کان اکھڑ آئے گوشمالی میں

کیا مذاق آپکو ہے لطف آتا — دھول دھپّے میں اور گالی میں

قید میں مرکر ہوا ہے بھوت قیدی اس لئے آج تک آتی ہے زنداں سے صدا فریاد کی
باپ نے دعویٰ خدائی کا کیا کافر بنا بیٹیاں مثل صنم پوجی گئیں شداد کی

یاالٰہی کس قدر ان کا دہن ہوگا دراز کام چمچے کی جگہ لیتے ہیں جو کفگیر سے
عاشقوں کی کانگریس میں ایک میں ہوں ایک قیس چیرمینی دیکھوں حاصل ہو کسے تدبیر سے

خون ناحق پھر نہ چھپتا گر نہ جل جاتا لہو ایک دھبّہ تک نہیں ہے اپنا خنجر دیکھئے

نشہ الفت کا چڑھا آگئی شامت میری بن گئی ان کی محبت میں حجامت میری
گو پڑے محفل زنداں میں ہزاروں جوتے چوٹ روکے رہی دستار فضیلت میری

سید حسن احمد بن نوازش حسین

میر نوازش حسین کے منجھلے بیٹے سید حسن احمد ۱۶ر شوال ۱۳۰۷ ہجری مطابق ۵ر جون ۱۸۹۰ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ ماں کا نام بی بی بقرعیدن تھا جو میر نوازش حسین کی زوجۂ ثانیہ تھیں۔ حسن احمد بڑے تن و توش کے انتہائی وجیہہ و بارعب انسان تھے۔ اپنی وجاہت اور جامہ زیبی کی خداداد بخشش سے جس محفل میں پہونچ جاتے وہاں لوگ ان کی موجودگی سے مرعوب ہو جاتے۔ یہی عالم ان کا اپنی ملازمت میں بھی تھا حکّام کے ساتھ گروپ فوٹو میں ان کی شخصیت سب پر چھائی رہتی۔ محکمہ زراعت میں سپروائزر اور رٹائرمنٹ کے وقت انگیزی ایگلیچر انسپکٹر تھے۔ تعلیم مڈل کلاس تک تھی۔ ملازمت کا زیادہ حصّہ سیڈ اسٹور مسودھا ضلع فیض آباد میں گذرا بعد میں سلطان پور آ گئے تھے۔ اور وہیں سے رٹائر ہوئے۔ پتہ نہیں کب اور کس وجہ سے ثقل سماعت سے دو چار ہوئے او نچا سننے کی وجہ سے گروپ مباحثہ میں شامل نہ ہوتے۔ نہ سننا بھی ان کے لئے کس حد تک مفید تھا کیونکہ اگر کوئی بات خلاف مزاج یا ناپسند ہوتی تو سخت ناراض ہو کر غصّہ میں کانپنے لگتے تھے اسی لئے زیادہ تر خاموش ہی رہتے پھر بھی ایسا نہیں تھا کہ محفل میں شامل ہو کر لطف نہ اٹھاتے۔ خوش مزاج اور باتوں کا مزہ اٹھاتے میں سب سے اوپر زبردست قہقہہ لگاتے اور لطف اٹھاتے سب سے بہترین صفت یہ تھی کہ کسی کا دل نہ دکھاتے بڑی خندہ پیشانی اور خلوص سے ملتے۔ حقّہ نوشی کے بڑے شائق تھے۔ آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر بڑے رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ حقّہ سے شغل کرتے تھے۔ انتقال سے چند سال قبل سملبائی کا درد اٹھا تو آنکھوں کا آپریشن کرایا۔ دل کے مریض تھے لیکن کسی کو اس بارے میں بتایا نہیں۔ ۲۵ر جنوری ۱۹۶۲ء کی شب میں دل کا دورہ پڑا۔ سوتے سوتے جاں بحق ہوئے اور ۲۶ر جنوری ۱۹۶۲ء یوم جمعہ اپنے آبائی قبرستان جائس میں سپرد خاک ہوئے۔ انتقال سے چھ سات سال قبل اپنے چھوٹے بھائی حسین احمد کے انتقال کا صدمہ اٹھا چکے تھے دوسرا صدمہ انھیں کی مجلس دیوسہ کے سلسلہ میں مرنے سے ڈیڑھ برس پہلے اٹھایا۔ گیارہ محرم کو اپنے مرحوم بھائی کی مجلس کا اعلان کرایا شام عاشورہ اس مجلس کے انعقاد کی مخالفت میں کچھ قریبی اعزّہ نے بغیر علم و اطلاع اچانک ان پر حملہ جارحانہ کیا بیٹوں اور بھتیجوں کے ساتھ یہ خود بھی بری طرح مجروح ہوئے۔ لوگوں نے بہت اکسایا کہ مقدمہ فوجداری کا دائر کر دو لیکن ان کے بھتیجے

اور یہ خود کس قسم کی مقدمہ بازی پر اپنے دیر نیہ رشتہ داروں اور اعزّہ کے ساتھ راضی نہ ہوئے۔

سید حسن احمد کی پہلی شادی ۱۵ رجون ۱۹۱۲ء میں میر ساجد حسین کی بیٹی نبی باندی عرف بتن کے ساتھ ہوئی اس وقت حسن احمد کی عمر بائیس سال کی تھی۔ نبی باندی نے ۴ راپریل ۱۹۱۵ء کو صرف تین سال کی رفاقت کے بعد انتقال کیا ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

حسن احمد نے دوسری شادی نصیرآباد میں اُم سلمہ عرف آغائی بیگم بنت انصار حسین کے ساتھ کی۔ انصار حسین مولوی محمد مہدی عرف مولوی بھگو کے بیٹے تھے جو میر غلام امام (جنیدی) کے نواسے تھے اس لحاظ سے ایک پرانی قرابت بحال ہوئی۔ میر انصار حسین نے اپنی بیٹی کی شادی مانڈا روڈ ضلع الہ آباد سے کی وہ راجہ صاحب مانڈہ کے یہاں کارپرداز تھے۔ بارات مانڈہ روڈ بذریعہ ٹرین گئی تھی۔ آغائی بیگم نے بھی چند ہی سال کے بعد ۲۳ ستمبر ۱۹۱۹ء کو داعئ اجل کو لبیک کہا۔ اور لاولد اس جہاں سے گذریں۔ آغائی بیگم کا یہ دوسرا عقد تھا اس سے پہلے ان کی شادی نصیرآباد میں میر امجد حسین اور میر عباس حسین کے بھائی کے ساتھ ہوئی تھی جو آغائی کے حقیقی خالہ زاد بھائی بھی تھے۔ عقد ہو جانے کے بعد رات ہی میں نوشاہ نے ناگہانی طور پر اچانک انتقال کیا۔ سال بھر تک آغائی اپنے میکے میں بیوگی کی زندگی گذارتی رہی تو میر انصار حسین نے اُس کا عقد حسن احمد کے ساتھ کر دیا۔ آغائی نے اپنے مرحوم شوہر کے ورثا پر دین مہر کا مقدمہ (۷۰ ہزار نقد اور دو سرخ سلطانی) دائر کیا جو اودھ چیف کورٹ تک چلا اور آغائی کی ڈگری ہو گئی مگر اس مقدمہ بازی کے دوران خود آغائی بیگم وفات پا گئیں۔ میر انصار حسین نے اپنی دوسری بیٹی اقبال فاطمہ عرف بانو بی بی کا عقد حسن احمد کے ساتھ کر دیا اور مقدمہ چلتا رہا۔ بالآخر امجد حسین وغیرہ کی جائیداد سے آغائی بیگم کا مہر اقبال فاطمہ کو دلوایا گیا۔

بانو بی بی کے ساتھ حسن احمد کی شادی ۱۹۲۳ء میں ہوئی میر نوازش حسین اس سے دو برس پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اقبال فاطمہ سے ایک بیٹی ملیکہ خاتون ۱۵ رمضان ۱۳۴۳ ہجری مطابق ۱۳ مارچ ۱۹۲۵ء کو ہوئی۔ ملیکہ بڑی خوش مزاج، خوش رو، خوش اخلاق اور بے حد خوبصورت تھی۔ راقم الحروف کے ساتھ بچپن کی سیکڑوں یادیں ذہن میں اب تازہ ہیں۔ وہ راقم سے ایک سال بڑی تھیں۔ جون ۱۹۴۳ء میں نصیرآباد میں امیر حسنین بن اصغر حسین کے ساتھ اٹھارہ برس کی عمر میں بیاہی گئیں اور دو ہی برس بعد بھری جوانی میں بعارضہ تپ دق انتقال کر گئیں۔

میر حسن احمد کی دوسری بیٹی جمیلہ خاتون ۱۳ نومبر ۱۹۲۷ عیسوی کو پیدا ہوئی مگر پانچ ہی سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔ ذکیہ خاتون ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئی اور دسمبر ۱۹۵۱ء

میں راقم کی رفیقہ حیات ہیں ان کی پرخلوص رفاقت کا یہ سینتالیسواں سال ہے اس عرصہ میں انھوں نے ایک سچی اور ہمدردانہ رفاقت کے ساتھ اپنے رفیق حیات کی معاونت کی مگر اس سے کہیں زیادہ اپنی ایک بیٹی اور ایک بیٹے کے ساتھ جس مادری شفقت کا مظاہر کیا وہ کم دیکھنے میں آتا ہے۔ ماں کے پیار و محبت میں اپنے آپ کو تقریباً مٹا ڈالا مگر اپنے بچوں پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔

میر حسن احمد نے چار فرزند صالح اپنے پسماندگان میں چھوڑے۔ سید اقبال احمد عرف چھمّن، سید انوار احمد عرف بچھّن، سید سلطان احمد اور سید نفیس احمد وہ تیس سال سے اوپر ملازمت کرنے کے بعد اپریل ۱۹۴۷ میں رٹائر ہو گئے لیکن پنشن پانے کے حقدار نہ ہو سکے بغیر کسی پنشن یا گریجوئی کے خالی ہاتھ گھر آئے۔ گھر میں بچے سب ہی چھوٹے تھے چالیس سال بعد ان کی بیوہ کی طرف سے فیملی پنشن کی درخواست حکومت اترپردیش کو دی گئی۔ تو پنشن جاری ہوئی۔ اور تقریباً ۲۵ ہزار بقایا پنشن کے بیوہ کو ملے۔ مارچ ۱۹۹۳ء میں اقبال فاطمہ عرف بانو بی بی نے الہ آباد میں انتقال کیا۔ اور دریاآباد کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئیں۔

سید حسین احمد بن نوازش حسین

راقم الحروف کے والد ماجد سید حسین احمد میر نوازش حسین کی زوجہ ثانیہ بی بی بقرعیدن کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے جو ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ ہجری مطابق ۵ اکتوبر ۱۸۹۲ء یوم چہارشنبہ کو پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں شفقتِ مادری سے محروم ہوگئے۔ انتہائی خوش مزاج، ملنسار اور خوش اخلاق تھے ناک نقشہ اور رنگ روپ میں بہت خوبصورت تھے خاندان کے بچے انھیں اچھے چچا، اچھے بھیا، اچھے خالو، اچھے نانا اور اچھے دادا وغیرہ کہہ کر پکارتے تھے جو ان کی خوبصورتی کی تصدیق تھی۔ ان کے والد میر نوازش حسین انھیں بے انتہا چاہتے تھے۔ اور کھانے پینے کی چیزیں دوسرے بچوں سے چھپا کر ان کو دیتے تھے۔ جائس میں مڈل اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ تیز لڑکوں میں شمار ہوتے تھے۔ بڑے خوش نویس تھے۔ اسکول کی چھٹیوں میں اپنے والد کے گاؤں موضع پرتاپ پور (ٹکیہ نوازش حسین) ضلع کانپور چلے جاتے تھے۔ چھٹیوں میں وہاں رہ کر پوری طلسم ہوشربا ختم کر ڈالی۔ ملازمت کی ابتدا بطور ایک ٹیچر ضلع پرتاپ گڈھ کے کسی دیہات سے کی پھر رائے بریلی میں ایک پیٹرول پمپ (برماشل) لے لیا۔ اسے چھوڑ کر میر مہدی الزمان وکیل الہ آباد کے منشی ہوگئے۔ میر مہدی الزمان کے بڑے بھائی سید علی شیر پہلے ان کے منشی تھے ۱۹۱۴ء میں انھوں نے اپنی بیٹی قمر النساء کی شادی حسین احمد کے ساتھ کر دی ساتھ ہی اپنی منشی والی جگہ اپنے داماد کو دے دی۔ منشی حسین احمد الہ آباد میں بدستور اسی جگہ پر کام کرتے رہے ۱۹۵۲ء میں جب مولوی مہدی الزمان کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا تو حسین احمد اپنے وطن جائس واپس آگئے۔ الہ آباد میں کئی وکیلوں نے ان سے اپنے ساتھ کام کرنے کی خواہش کی لیکن حسین احمد راضی نہ ہوئے اس لئے کہ اس وقت ان کے دونوں بیٹے آلِ احمد اور سبط احمد سرکاری ملازمت میں آچکے تھے۔ اور دونوں اپنے ساتھ رکھنے پر بضد تھے مگر حسین احمد نے اپنے بڑے بھائی سید حسن احمد کے ساتھ اپنے وطن جائس میں رہنا زیادہ بہتر سمجھا۔ دونوں بیٹے انھیں برابر روپئے بھیجتے رہے۔ دو ڈھائی سال اپنے بھائی کے ساتھ رہنے کے بعد ۵ راگست ۱۹۵۴ء کو بڑی مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

سید حسین احمد کی ازدواجی زندگی ناہموار اور تکلیف دہ تھی۔ پہلی شادی ۱۹۱۴ء میں میر علی شیر بن سید مومن جان سید الولی کی دختر بی بی قمر النساء کے ساتھ ہوئی تھی۔ ۱۹۱۵ء میں ان بی بی سے ایک بیٹا اختر اور ۱۹۱۷ء میں دوسرا بیٹا نہال احمد پیدا ہوا

لیکن یہ دونوں بچے جلد ہی جاتے رہے اور خود قمرالنساء بی بی چار یا پانچ سال بعد ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۷ ہجری مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کو انتقال کر گئیں۔ میر علی شیر کی شادی محلہ بلندی اجودھیا ضلع فیض آباد میں ہوئی تھی۔ جس وقت بی بی قمرالنساء نے انتقال کیا اس وقت ان کی والدہ یعنی اجودھیا والی نانی (اہلیہ میر علی شیر) حیات تھیں انھوں نے اپنی چہیتی بیٹی کے انتقال کے بعد اپنے داماد حسین احمد کا رشتہ اپنے ہی قرابت داروں میں طے کر دیا۔ موضع شہنواں ضلع فیض آباد میں میر باقی کی اولاد احفاد سادات صحیح النّسب رہتے تھے۔ سید محمد رضی انھیں کی اولاد تھے۔ جن کی پہلی شادی (بلندی) اجودھیا میں ہوئی تھی۔ اس طرح وہ یعنی سید محمد رضی اجودھیا والی نانی کے قریبی رشتہ دار تھے لہٰذا انھوں نے محمد رضی کی بیٹی قاسم باندی کے ساتھ حسین احمد کا رشتہ طے کر دیا۔ محمد رضی کی زوجہ ثانیہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد کے پیرزادگان کے خاندان کی تھیں۔ محمد رضی کی اہلیہ کبریٰ بی بی (راقم کی نانی) اور کچھوچھہ شریف کے محب اشرف دونوں خالہ زاد بھائی بہن تھے۔ قاسم باندی اور حسین احمد کی شادی ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ دونوں میاں بی وی بہت خوبصورت گوری رنگت اور اچھے ناک ونقشہ کے تھے۔ بی بی قاسم باندی (راقم کی والدہ معظّمہ) بڑی سیدھی ہنس مکھ اور کم سخن تھیں۔ آٹھ نو سال تک اپنے شوہر کی رفاقت کے بعد دو کم سن بیٹے یعنی آل احمد عرف میرن اور سبط احمد عرف منّے چھوڑ کر ۲۸ رجب ۱۳۵۰ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۳۱ء کو انتقال کر گئیں۔ اس وقت راقم کی عمر ۵ سال اور برادر معظّم آل احمد میرن کی عمر ۸ سال کی تھی۔ بی بی قاسم باندی کا شجرہ نسب یعنی راقم کا ننھیالی نسب نامہ مختصراً ذیل میں پیش ہے۔

میر روشن علی
↓
سید فتح علی
↓
میر رجب علی
↓
میر محمد اصغر
↓
میر محمد رضی

(کچھوچھہ شریف والی زوجہ سے)

- سید محمد زکی (اجودھیا والی زوجہ سے)
  - آل حسن
    - حسین بانو (زوجہ عسکری عباس)
  - بی بی تقیہ (زوجہ ثالث حسین احمد)
- سید کلب حسین
  - نبی حسن (زوج ساجرہ بنت طالب عباس)
- بی بی قاسم باندی (زوجہ حسین احمد)
- دختر (شگفتہ مٹّو)
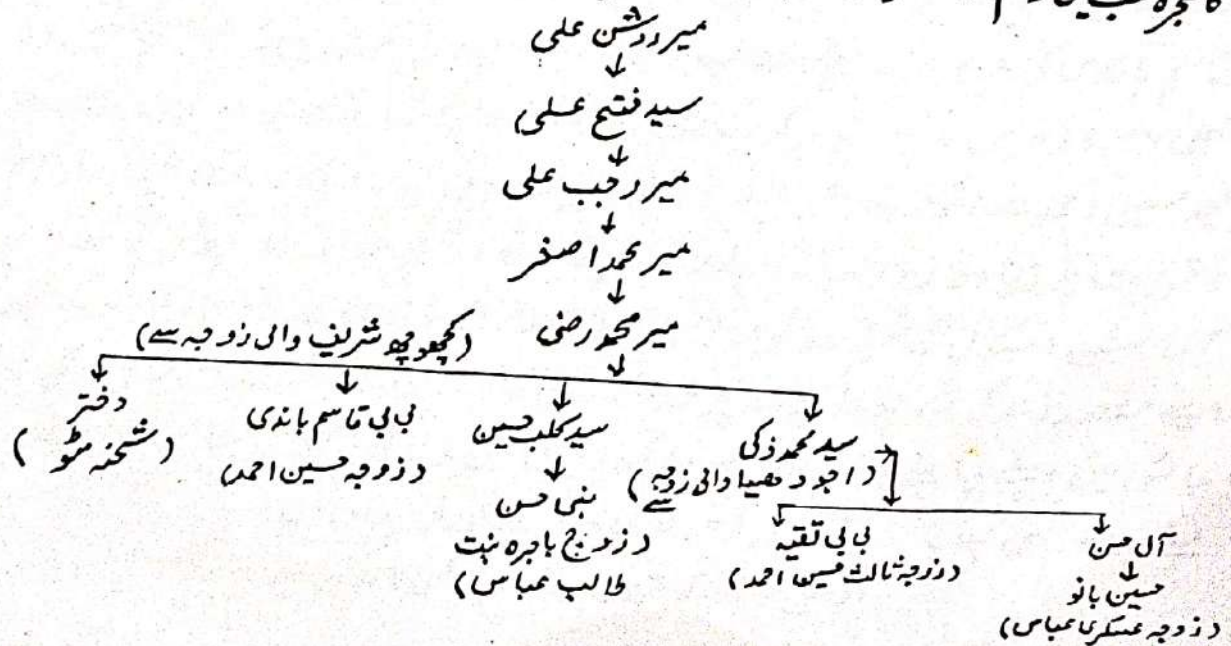
۱۹۳۰ عیسوی کی گرمیوں میں جائس میں وبائی شکل میں ہیضہ کی بیماری پھوٹ پڑی تھی
جس میں بہت سے لوگ مرے ہفتوں تک یہ عالم تھا کہ ایک میّت دفن کرکے لوگ قبرستان سے
لوٹنے نہ پاتے تھے کہ دوسرا جنازہ تیار رہتا تھا جو اس مرض کا شکار ہوتا بمشکل بچتا تھا لوگوں نے
بے تحاشہ ترک وطن کرنا شروع کردیا۔ میرے چچا حسن احمد ان دنوں مسودھا (فارم) ضلع
فیض آباد میں تھے اور والد حسین احمد رائے بریلی میں۔ دونوں نے اپنے اپنے بال بچوں کو جائس
سے ہٹادیا۔ میری والدہ مجھے اور میرے بھائی میرن کو لیکر اپنے میکے شہنواں ضلع فیض آباد چلی
گئیں۔ اور چچا حسن احمد کے بچے ملیکہ، جمیلہ اور حبیبن اپنی ماں کے ساتھ مسودھا فارم چلے گئے
یہ جگہ شہنواں سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ ہم پانچوں بچے مسودھا فارم پر بھی کافی دنوں
رہے۔ وہاں کی سب سے بڑی یادگار یہ ہے کہ سیڈ اسٹور میں بھرے ہوئے بورے اڑم
لگے تھے جس پر سے ہم لوگ کودتے تھے اسی اثنا میں ایک بھرا ہوا بورا میرے بڑے بھائی میرن کے
پیر پر آگرا جس سے ان کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی یہ کافی عرصہ فیض آباد کے ضلع اسپتال
میں بھرتی رہے۔ ان کا یہ پیر آخر دم تک کمزور ہی رہا۔

جس وقت ان کی دوسری زوجہ قاسم باندی کا انتقال ہوا تھا اس وقت حسین احمد
کی عمر صرف اڑتیس برس کی تھی اور دو چھوٹے بچے ۸ سال اور پانچ سال کے تھے جنہیں
وہ بے حد چاہتے تھے معشیت کی مجبوریوں سے وہ الٰہ آباد میں رہتے تھے اس وجہ سے ان
بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی خاطر انھوں نے تیسرا عقد کیا۔ شہنواں میں محمد ذکی
(محمد رضی کے بڑے بیٹے) کی بیٹی تقیّہ سے ۱۹۳۳ء میں عقد ہوا جو صرف تین سال زندہ
رہیں۔ ایک بیٹا شمیم احمد پیدا ہوا اور ایک سال زندہ رہ کر جاتا رہا۔ تقیّہ خاتون جو
قاسم باندی کی طرح اپنے میکے سے تپ دق کے جراثیم ورا ثت میں لے کر آئی تھیں وہ
بھی ۱۹۳۶ء میں اپنے شوہر کو رفاقت کے بجائے داغ مفارقت دے گئیں۔ اس کے
بعد حسین احمد نے لوگوں کے اصرار کے باوجود پھر عقد نہیں کیا۔ اپنے دونوں بچوں کی تعلیم
و تربیت پر زیادہ زور دیا۔ دونوں کو اپنے ساتھ الٰہ آباد میں رکھا۔ ہوٹل کا کھانا اور
جمنا مشن اسکول کی تعلیم دونوں کو تعلیم، ملازمت اور شادی سے دو چار کرانے کے بعد
اپنے مقصد زندگی کے پورا ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ۵ اگست ۱۹۵۴ء کو
جائس میں اپنے چاہنے والے بھائیوں کی باہوں میں زندگی کی آخری سانس لی۔ اپنے
لئے یہ شعر بھی کہا۔ اثر کی قبر ڈھونڈی جاتی ہے گورِ غریباں میں
ادا سی بڑھ کے بتلا دے کدھر ہے کس کا مدفن ہے

سید مختار احمد بن نوازش حسین

سید مختار احمد میر نوازش حسین کی زوجہ ثالث ذاکرہ بیگم کے بطن سے تھے۔ ان کی ولادت ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔ چچا مختار احمد بڑے خوش مزاج اور بے حد ہنس مکھ تھے جس محفل میں بیٹھتے وہاں لوگ ان کی باتوں اور قہقہے سے بھرے واقعات اور لطائف سن کر بڑے محظوظ ہوتے۔ معمولی واقعہ کو بھی نمک مرچ لگا کر اتنے مزے سے بیان کرتے کہ سننے والا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ گھر میں یہ ہم بچوں کے چھوٹے چچا تھے اور مقامی طور پر ہم لوگوں کے سرپرست اور گارجین بھی تھے اچھی طرح یاد ہے میرے بڑے بھائی آلِ احمد اور خود میرا اسکول میں نام لکھانے کے لئے چچا مختار احمد ہمیں اسکول لے گئے تھے۔ دس سال کی عمر میں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک بہن صالحہ ان سے عمر میں چھوٹی تھی اس کے انتقال کا انھیں اتنا صدمہ ہوا کہ سارے رنج کے میر واجد علی کے کنوئیں میں کود گئے مگر بچ گئے۔ ۱۹۳۳ء میں سلطانپور عدالت دیوانی میں ملازم ہوئے۔ تعلیم زیادہ نہ تھی محکمہ دیوانی سلطانپور میں جائس کے کئی لوگ ملازم تھے۔ سید امیرالحسن نظارت شعبہ میں تھے اور یہ لوگ محلہ دریا پور میں رہتے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں اپنے ماموں کی بیٹی عابدہ خاتون کے ساتھ عقد کیا اور جون ۱۹۴۳ء میں شادی / رخصتی ہوئی۔ بڑے خوش پوش اور فیشن کے دلدادہ تھے۔ عطریات کا بہت شوق تھا۔ گھر کے لڑکوں کی دلچسپی اور تفریح کا مرکز تھے۔ سب بچوں کو میلہ بازار اور تفریح کی جگہوں پر گھمانے ضرور لے جاتے اس لئے گھر کے ہم سب بچے انھیں کے پاس ہر وقت گھسے رہتے تھے۔ انھیں کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک الماری بھر کے ناولیں اور مذہبی و تاریخی کتابیں جمع کی تھیں۔ تقریباً چالیس برس ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۷۳ء میں ریٹائر ہو گئے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد گھر ہی پر رہے اور مارچ ۱۹۷۷ء میں انتقال کر گئے۔ دو بیٹے سید محمد تقی و علی نقی اور ایک بیٹی ساجدہ خاتون اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ ساجدہ بڑی خوش تدبیر اور بلند اقبال لڑکی ہے۔ اس کی شادی نیر آباد کے علی اشہد بن احتشام حسین کے ساتھ اپریل ۱۹۷۷ میں ہوئی۔ ساجدہ کے شوہر ایک پڑھے لکھے خوش مزاج انسان ہے طبیعت میں بے حد انکسار ہے متحدہ عرب امارات کے شہر راس الخیمہ میں دواؤں کے ایک بڑے کارخانہ میں پروڈکشن منیجر ہیں۔ ہندوستانی کرنسی میں ایک لاکھ مہینہ تنخواہ پاتے ہیں۔ بمبئی میں ایک عالی شان فلیٹ پچاس لاکھ روپیے میں خریدا ہے۔

سید امیر الحسن بن سید ہدایت حسین

جس طرح میر غلام امام (عرف چندھی) کے بیٹوں میں میر محمد حسن سب سے نمایاں تعلیم یافتہ اور اپنے خاندان کے لیئے باعثِ افتخار تھے اسی طرح میر محمد حسن کے پوتے سید امیر الحسن بھی خاندان میں سب سے زیادہ قابل سمجھدار زیرک اور دوراندیش تھے۔ سید امیر الحسن ۱۶ ر صفر ۱۲۹۸ ہجری مطابق ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میر ہدایت حسین تھا اور والدہ بی بی اُم کلثوم تھیں جو میر اولاد حسین و میر نوازش حسین کی حقیقی بہن تھیں۔ میر ہدایت حسین کے بارے میں ذکر آچکا ہے کہ وہ افیون کے بڑے دلدادہ تھے۔ اس لیئے کام کاج سے کوئی رغبت نہ تھی امیر الحسن اپنے ماموں سید نوازش حسین کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال میں بڑے ہوئے۔ پڑھنے لکھنے کا شروع سے شوق تھا۔ اردو فارسی گھر پر پڑھی انگریزی زبان کا اکتساب بھی خود سے کیا اور دلی بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کرکے عدالت دیوانی سلطان پور میں ملازم ہوئے اس سے پہلے ۱۸۹۶ء میں جب جائس میں قحط پڑا تو گورنمنٹ نے جائس سے گذرتی ہوئی ریلوے لائین بچھانے کا قحط رلیف کا کام شروع کیا اس قحط رلیف کے کام میں بھی امیر الحسن ملازم ہوگئے دیوانی دفتر میں وہ دھیرے دھیرے ناظر کے پوسٹ پر پہونچ گئے اس سے قبل ان کے بڑے بھائی سید ریاض الحسن بھی سلطان پور میں ملازم رہ چکے تھے۔ امیر الحسن نے کافی ملازمت کی اور کافی دولت کمائی۔ مگر قسمت میں اولاد نہیں لکھی تھی انھوں نے چار عقد کیئے لیکن کسی ایک سے بھی اولاد نہ ہوئی۔ وہ راقم کے حقیقی پھوپھا تھے۔ اور والد و چچا کے پھوپھی زاد بھائی اور برادر نسبتی بھی۔ میر نوازش حسین کی بیٹی ناظمی بیگم کی شادی امیر الحسن کے ساتھ ۳۰ ر اگست ۱۹۰۶ء کو ہوئی۔ دونوں کا عقد مولوی رضی حسن اور مولوی علی نقی نے پڑھا تھا۔ لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ناظمی کا انتقال شادی کے پانچ ہی برس بعد ۱۹۱۱ء میں ہوگیا۔ امیر الحسن نے دوسرا عقد ۱۳ ر مئی ۱۹۱۴ء میں کیا یہ عقد انھوں نے رسولپور (ضلع رائے بریلی) میں کیا تھا مگر یہ بھی جلد ہی وفات پاگئیں اور کوئی اولاد ان سے نہ ہوئی۔ تیسرا عقد انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی میر الطاف حسین کی بیٹی عابدہ کے ساتھ کیا لیکن ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی اور عابدہ بھی سابقہ بیویوں کی طرح جلد ہی انتقال کر گئیں۔ چوتھا عقد قصبہ سکندر پور ضلع فیض آباد میں میر بندہ حسین کی بیٹی کنیز فاطمہ کے ساتھ کیا یہ بی بی چونتیس سال تو ضرور زندہ رہیں مگر اولاد کوئی نہ دے سکیں پھر بھی اتنی رفاقت اپنے شوہر کے ساتھ ضرور کی کہ شوہر کے انتقال کے دو ماہ بعد یہ بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ ان کا انتقال ستمبر ۱۹۶۰ء میں ہوا۔

امیر الحسن سول کورٹ سلطان پور سے ۱۹۴۲ء میں رٹائر ہوکر اپنے وطن آگئے۔

۱۹۵۲ء میں برانچ پوسٹ آفس جائس میں ایکسٹرا ڈپارٹمنٹل ایجنٹ ہوگئے۔ اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے وہ اس جگہ سے الگ ہوئے۔ مارچ ۱۹۶۰ء میں گلے میں کینسر کی تکلیف کے باعث الہ آباد کے کملا نہرو اسپتال (بیگم آزاد ونگ) میں علاج کے لئے داخل ہوئے ایک مہینہ علاج چلتا رہا جب کوئی افاقہ نہ ہوا تو وطن لوٹ آئے محرم کی ۲۴ تاریخ مطابق جولائی ۱۹۶۰ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ایک بیوہ اپنے عقب میں چھوڑا جو خود بھی دو مہینے بعد راہی ملک عدم ہوئیں۔

امیرالحسن اپنی چچی بی بی افضل النساء کا بڑا خیال رکھتے تھے جب تک وہ زندہ رہیں انھوں نے ہر طرح ان کی خدمت کی ایک مکان "کھپا والا" پختہ ان کے لئے بنوا کر دیا۔ یہ مکان جس زمین پر بنوایا اسے پیر تلا کہتے ہیں۔ اس زمین کے خاندان کے بہت سے لوگ حصہ دار تھے مثلاً ورثائے نوازش حسین، الطاف حسین، عمادالحسن، محمد محسن وغیرہ۔ ان سب لوگوں سے اپنا اپنا حصہ امیرالحسن نے اپنے نام لکھوا لیا۔ اس پر کھپا والا مکان تعمیر کرایا۔ کھپا والی بی بی افضل النساء بیوہ مرتضیٰ حسن امیرالحسن کے انتقال سے سال بھر پہلے نوے سال کی ہوکر ۱۹۵۹ء میں جاں بحق ہوئیں۔

جولائی ۱۹۶۰ء میں امیرالحسن کے انتقال کے دو مہینے بعد ان کی بیوہ کنیز سکینہ جو خود بھی علیل تھیں انتقال کر گئیں۔ بیوہ کی بہن وہاں موجود تھیں۔ امیرالحسن کے بھتیجے غلام امام بن عمادالحسن بھی اپنے چچا اور چچی کی علالت میں ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لئے اپنے گھر میں تھے۔ امیرالحسن کی بیویوں کے زیورات، ملبوسات اور گرہستی کی ساری چیزیں تانبہ پیتل کے برتن کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ سب کچھ آسانی کے ساتھ نہیں ہٹایا جا سکتا تھا۔ امیرالحسن کی وراثت کا مسئلہ ان کی بیوہ کے چالیسویں کے دن اٹھا۔ سید غلام امام، ضمیر حسین عرف چھدن (امیرالحسن کے برادر نسبتی) اور سید حسن احمد و مختار احمد کے درمیان یہ طے پایا کہ مرحوم کی منقولہ جائداد پر لوٹ کھسوٹ مچنے کے بجائے ان ساری چیزوں کی فہرست بنا کر چاروں آدمیوں کو دے دی جائے اور وہ سارا سامان سید غلام امام کی سپردگی میں رکھ دیا جائے تا ایں کہ سامان پانے کا دعوی دار اپنے حق میں شرعی یا قانونی ثبوت ایک مہینہ کے اندر لا کر دے۔ سب اپنی اپنی جگہ شرع اور قانون کے ماہرین کی رائے جان لینے کے بعد اس بات پر رضامند ہوگئے کہ امیرالحسن کے ماموں زاد بھائی حسن احمد و مختار احمد ان کے جائز وارث بحصہ مساوی ہیں اور بیوہ امیرالحسن کا حصہ کل کا ¼ ہے جو مرحوم کے بھائی ضمیر حسین عرف چھدن کو ملنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں عدالت سے وراثت سرٹیفیکٹ حاصل کر لینے کے بعد ورثائے حسن احمد اور مختار احمد نے امیرالحسن مرحوم کی کل منقولہ پراپرٹی از قسم نقدی زیورات، ملبوسات، برتن اور گرہستی وغیرہ بیوہ امیرالحسن کا حصہ ¼ نکال لینے کے بعد آپس میں بانٹ لیا۔

اور بیوہ کا حصّہ ان کے بھائی ضمیر حسین عرف چھدّن کے حوالے کر دیا۔ جنھوں نے وہ حصّہ پروین سلمیٰ دختر غلام امام (ضمیر حسین کے بھانجی کی بیٹی) کو دے دیا۔ یہ تقسیم حسن احمد کے انتقال کے بعد ہوئی۔ اسی طرح دادی اماں یعنی بی بی افضل النساء (کلیا والی دادی) کا اثاثہ بھی جو مرحومہ کے انتقال کے بعد امیر الحسن کی ملکیت میں آ چکا تھا وہ بھی ان حصہ داروں کے مابین تقسیم ہو گیا اور کسی حلقہ سے کوئی آواز اس تقسیم کے خلاف نہ اٹھی۔ باغات کی آمدنی میں حصّہ امیر الحسن ورثائے حسن احمد مرحوم و ورثائے مختار احمد مرحوم کو برابر مل رہا ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سید امیر الحسن جو خاندان میں سب سے زیادہ سمجھ دار، دور اندیش، زیرک، عاقل، دانا اور سب ہی قانونی و شرعی پیچیدگیوں سے واقف تھے اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کو کوئی اولاد نہیں ہوئی تو انھوں نے اپنی جائداد کے بارے میں قبل سے کوئی مناسب فیصلہ یا انتظام ایسا کیوں نہیں کر دیا کہ اُن کے انتقال کے بعد وہ ساری چیزیں اس طرح نہ لٹ کر حقیقتاً جائز وارث کو انہیں کی مرضی کے مطابق ملتی اور اس طرح تلف و برباد نہ ہوئیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امیر الحسن مرحوم اپنے انتقال سے چھ سال قبل یہ کام کر چکے تھے اور ایک وقف نامہ کے ذریعہ اُنھوں نے اپنی کل جائداد غیر منقولہ کو حسبتاً للہ وقف علی الدوام کرنے کے بعد اس پر سے اپنا قبضہ مالکانہ اٹھا کر قبضہ متولیانہ کر لیا تھا۔ اسی وقف نامہ کے ذریعہ انھوں نے اپنی ملکیت کے سارے زیورات نقرئی و طلائی و اثاثات البیت نیز دیگر جائداد منقولہ کو بعوض دین مہر اپنی زوجہ منکوحہ مسماۃ کنیز سکینہ کو دے کر اس کی خوشی و رضامندی سے دین مہر کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل کر لی تھی۔ اس وقف نامہ کا مسودہ میرے والد سید حسین احمد مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جسے راقم بخوبی پہچانتا ہے۔ اور اس مسودہ پر جگہ بہ جگہ امیر الحسن مرحوم نے اپنے قلم سے ترمیم و اضافہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جون ۱۹۵۴ء میں (حسین احمد کے انتقال اگست ۱۹۵۴ء سے دو ماہ پہلے) یہ وقف نامہ لکھا گیا تھا۔ اور اس طرح یہ امیر الحسن کے انتقال سے چھ سال پہلے کا ہے۔ وقف نامہ کی نقل ذیل میں پیش ہے۔

منکہ سید امیر الحسن ولد سید ہدایت حسن مرحوم ساکن محلہ ہاشمی جائس ضلع رائے بریلی کا ہوں جو کہ ضعیف العمر ہو چکا ہوں زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور کوئی اولاد از قسم ذکور و اناث میرے نہیں ہے اور میرے سوائے مسماۃ کنیز سکینہ زوجہ منکوحہ کے دین مہر بقدر مبلغ چودہ ہزار روپیہ کے اور کوئی قرض نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے

اس دین مہر کی ادائگی کا انتظام اس طور سے کیا ہے کہ جو کچھ زیورات نقرئی و طلائی و اثاث البیت و دیگر جائداد منقولہ میری ملکیت تھی اس کو بعوض دین مہر کے دیکر ان کی خوشی و رضامندی سے دین مہر سے سبکدوشی حاصل کرلی ہے اب جو جائداد غیر منقولہ منصلہ ذیل مملوکہ و مقبوضہ مالیتی ایک ہزار روپیہ باقی ہے اس کا اس طور سے انتظام کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا ثواب بھی میری روح کو پہونچتا رہے یعنی اس جائداد کو حسبتاً للہ وقف علی الدوام کرتا ہوں لہٰذا بحالت صحت نفس و ثبات عقل و بدرستی ہوش و حواس بخوشی ناظر اپنی جائداد مفصلہ ذیل کو صیغۂ وقف پڑھ کے اغراض مندرجہ ذیل کے واسطے وقف علی الدوام کیا اور اپنا قبضۂ متولیانہ کرلیا اور اس کا عمل درآمد بھی کاغذات سرکاری میں کرا دوں گا۔ جائداد موقوفہ ہمیشہ کے لئے وقف رہے گی اور کسی متولی کو بیع یا اس کی بابت استمراری پٹہ کے ذریعہ سے انتقال کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

اغراض وقف :—

(۱) جو کچھ آمدنی جائداد موقوفہ سے بعد ادائے مالگزاری کے ہو اسمیں متولی ساتویں محرم کو نذر موسومہ حاضری جناب عباس علیہ السلام بموجب وسعت آمدنی کرے اور شب عاشور ایک تعزیہ یادگار عزاداری امام حسین علیہ السلام رکھے جیساکہ میں رکھتا ہوں اور سیوم سید الشہدا میں کھچڑا پر فاتحہ کرکے تقسیم کیا کرے جیساکہ میں کرتا ہوں۔ علاوہ اس کے میرے والدین کے دیوسہ کی مجلس اور بعد وفات میرے اور میری زوجہ کے دیوسہ کا فاتحہ اور مجلس کرتا رہے گا۔

(۲) تاحیات اپنے میں خود متولی رہوں گا اور بعد وفات میرے میری زوجہ کنیز سکینہ متولیہ رہے گی اور بعد وفات اس کے جس کو میں یا وہ نامزد کریں وہ متولی ہوگا اسی طرح ہر متولی کو اپنے بعد کے لئے متولی مقرر کرنے کا حق رہے گا۔ درصورت کسی کے نامزد نہ ہونے کے میرے خاندان میں جو کوئی اہل ہو باتفاق اہالیان خاندان کے متولی ہوگا۔

(۳) منجملہ جائداد موقوفہ کے جو مکان میرا ہے اسمیں متولی کو سکونت کا حق ہوگا اس کو اختیار ہے کہ مرمت کرا کے سکونت رکھے۔

(۴) وقف ہذا ہر طرح سے صحیح اور جائز ہے۔ میں نے صیغہ وقف جاری کرکے

وقف الدوام کردیا ہے اب کسی کو اس سے رجوع اور بازگشت کا حق حاصل نہ ہوگا۔ جائداد موقوفہ کی مالیت ایک ہزار روپیہ کی ہے اسپر اٹھارہ روپیہ بارہ آنہ کا اسٹامپ لگاکر رجسٹری کردیا ہے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

اس وقف نامہ کے ساتھ ساتھ اسی زمانہ کا لکھا ہوا بی بی افضل النساء (کولیا دادی) کا ایک وصیت نامہ بھی ملا ہے جو امیر الحسن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جس پر مندرجہ ذیل گواہان نے دستخط کئے ہیں تاریخ ۱۷ جون ۱۹۵۴ء کی ہے۔

گواہان یہ ہیں :- (۱) سید حسین احمد (۲) سید حسن احمد (۳) سید غلام ثامن اور (۴) سید شبیہ الحسن۔ وقف نامہ کی عبارت اس طرح ہے :-

منکہ مساۃ افضل النساء زوجہ منکوحہ سید مرتضیٰ حسن مرحوم ساکن محلہ تمبانہ قصبہ جائس جو کہ مساۃ کنیز سکینہ زوجہ سید امیر الحسن ساکن محلہ تمبانہ قصبہ جائس رشتہ میں میری بہو ہے مگر میں نے اس کو اپنی لڑکی بنائی ہے کیونکہ میرے اولاد نہیں ہے اور مساۃ مذکور بھی مثل لڑکی میری ہر طرح کی خدمت کرتی ہے اور ہر قسم کا آرام دیتی ہے اور اس میں سے محبت کرتی ہوں اب میں ضعیف العمر ہوگئی ہوں اور موت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا میں بحالت صحت نفس و درستی ہوش و حواس برضا و رغبت بلا جبر و اکراہ ذریعہ اس وصیت نامہ کے وصیت کرتی ہوں کہ بعد میری وفات میری جائداد منقولہ و غیر منقولہ جو میرے شوہری جائداد میں از روئے بٹوارہ باہمی درمیان میرے اور سید محمد محسن مرحوم مجھے ملی ہے اور میں اس پر تاایندم قابض و متصرف ہوں اور تمام ان چیزوں پر جس پر اطلاق میری ملکیت کا ہے اس کی مالک مساۃ کنیز سکینہ موصوفہ بالا ہوگی کسی میرے دیگر وارث کو کوئی حق مخاصمت نہ ہوگا۔ وہ میرا فاتحہ سالانہ بقدر صرفہ امکان دلواتی رہیں۔ لہٰذا یہ وصیت نامہ لکھ کر اور اپنا نشانی انگوٹھا لگا کر اور گواہان معتبر سے گواہی کرا کر حوالہ مساۃ کنیز سکینہ موصوفہ بالا کر دیا کہ بوقت ضرورت کام آئے۔ فقط المرقوم ۱۷ جون ۵۴ ۱۹ء بقلم سید امیر الحسن۔

تفصیل جائداد جو وصیت نامہ میں درج ہے۔

(۱) باغ مقبرہ میں بقدر ½ (۲) باغ کیشو تارا۔ نصف میں ½ (یعنی حصہ مرتضیٰ حسن)

یادگارِ رفتگاں

[نوٹ] اس وصیت نامہ پر جن معتبر گواہوں کے دستخط ہیں نیز تفصیل جائداد
میں جس قدر حصہ بی بی افضل النساء نے باغات میں اپنا دکھایا ہے اس کی
رو سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مرتضیٰ حسن کا حصہ سب کا سب
بی بی افضل النساء کو ملا اور وہ از روئے بٹوارہ باہمی درمیان محمد محسن و
افضل النساء کے طے ہوا تھا۔ اس لیے محمد محسن یا ان کے ورثا کو باغات کی آمدنی
میں سے اپنا حصہ (یعنی حصہ مرتضیٰ حسن) مانگنے یا لینے کا کوئی حق نہیں ہے
اس وصیت نامہ پر خاندان کے چار بزرگوں کے دستخط موجود ہیں۔

سید امیر الحسن کا وقف نامہ اور بی بی افضل النساء (کولیا والی) کا وصیت نامہ
دونوں کاغذات امیر الحسن کے انتقال کے سولہ برس بعد اتفاقی طور پر بیکار کاغذات کے ملبے
میں دستیاب ہوئے لیکن اس وقت تک ورثائے حسن احمد و مختار احمد کے درمیان امیر الحسن
کی جملہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا آپسی بٹوارہ ہو چکا تھا۔ نیز مرحوم کا مکان بھی
بارش کے سبب منہدم ہو جانے کے بعد ورثائے حسن احمد و مختار احمد کے مابین آدھا آدھا
تقسیم ہو گیا۔ جس پر سلطان احمد بن حسن احمد و محمد تقی بن مختار احمد نے اپنے لئے علٰحدہ علٰحدہ
مکان تعمیر کرا لیا وقف نامہ کے مندرجات کا علم سب کو ہو چکا ہے اس کی رو سے ہنوز کوئی
انتخاب متولی کا نہیں ہوا البتہ سلطان احمد و محمد تقی نویں محرم کو کھچڑا پکوا کر امام کی
نذر دلوا دیتے ہیں خود کار تولیت انجام دے رہے ہیں۔

سیّد ریاض الحسن بن سید ہدایت حسن

ریاض الحسن بن ہدایت حسن عید کے روز ۱۲۸۲ ہجری بمطابق ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے تھے ان کی عرفیت احمد حسن تھی یہ عمر میں امیرالحسن سے سولہ سال بڑے تھے۔ ان کی شادی چچا زاد بہن بی بی سائرہ دختر میر حیدر حسن کے ساتھ ہوئی تھی۔ سلطانپور میں عدالت دیوانی میں ملازم ہوئے مگر بڑی کم عمر میں یعنی صرف تیئس سال کی عمر میں سلطانپور میں انتقال کیا۔ ان کی والدہ بی بی کلثوم میر نوازش حسین کی بہن تھیں۔ ان کے اچانک انتقال کا بہت صدمہ ہوا۔ ریاض الحسن اپنے والد میر ہدایت حسن کی زندگی میں مرے اس لئے اپنے باپ کی جائداد میں کوئی حصّہ نہ پا سکے۔ ان کا انتقال ۴ رذی الحجہ ۱۳۱۲ ہجری / ۱۸۹۵ء میں ہوا۔ صرف ایک بیٹی احمدی نام کی چھوڑ کر مرے احمدی کا عقد ۲۴ ر رجب ۱۳۲۴ ہجری مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۰۶ء میں سید اطہر حسین عرف اطّو کے ساتھ ہوا تھا۔ ریاض الحسن کی اہلیہ بی بی سائرہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں۔ اور ۱۹۳۹ء میں انھوں نے انتقال کیا۔ بی بی سائرہ انتقال سے قبل کربلائے معلیٰ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئی تھیں۔

ریاض الحسن کے حالات زندگی زیادہ معلوم نہیں ہو سکے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرحوم جوان عمری میں اپنے والدین کے سامنے مرے اور صرف ایک بیٹی چھوڑ گئے۔ ان کی بیٹی احمدی بھی شادی کے بعد بہت دنوں زندہ نہ رہی اور وہ بھی جوانی میں انتقال کر گئی کوئی اولاد بھی نہ ہوئی اس طرح ان کا سلسلۂ نسب انھیں کی ذات پر ختم ہو گیا۔ قابل افسوس اور دردناک بات یہ ہے کہ ریاض الحسن کے چھوٹے بھائی سید امیرالحسن کو بھی اللہ نے نعمت اولاد سے محروم رکھا اس طرح دونوں بھائی لاولد جہاں سے گذرے اور میر ہدایت حسن کا سلسلۂ نسب بھی ختم ہو گیا۔

سید عماد الحسن بن سید حیدر حسن

سید عماد الحسن ۱۵ شعبان ۱۲۹۲ ہجری مطابق ۱۸۷۵ عیسوی کو پیدا ہوئے ان
کی پیدائش کے چند ہی دنوں بعد ان کے والد میر حیدر حسن نے محض پینتیس سال کی جوان
عمری میں اپنے والد میر محمد حسن کے سامنے انتقال کیا اس بنا پر میر حیدر حسن اپنے باپ کی
جائداد میں محجوب الارث ہو جانے کی سبب سے حصہ پانے کے مستحق نہ ہوئے لیکن
میر محمد حسن نے اپنے پوتے عماد الحسن کو جائداد میں حصہ دار بنایا جس سے ان کے بڑے
بیٹے مرتضیٰ حسن کو باپ سے ناراضگی ہوئی۔ عماد الحسن کی تعلیم جائس ہی میں ہوئی۔ والد کا
انتقال تو ان کی صغر سنی میں ہو گیا تھا والدہ بی بی فاطمہ کبریٰ نے تعلیم و تربیت حسب
استعداد دلوائی۔ عماد الحسن کے نانا میر فدا حسین نمبردار نصیر آباد کے رئیسوں میں تھے
اور میر غلام امام کے داماد تھے۔ میر عماد الحسن نے محکمہ دیوانی ضلع پرتاپ گڈھ و رائے
بریلی میں ملازمت کی تھی۔ ان کی شادی سید رحمت علی عرف میاں محمد بن میر فدا حسین
نمبردار نصیر آباد کی دختر بی بی علیم النساء کے ساتھ ہوئی تھی۔ بڑے بیٹے سید غلام امام تھے
منجھلے بیٹے غلام رضا کی وفات ۱۹۲۷ء میں ہوئی چھوٹے بیٹے سید غلام سجاد قیام پاکستان کے
بعد ملازمت کی غرض سے بنگال (پاکستان) چلے گئے وہاں انھوں نے عقد کیا جس سے ایک
بیٹی پیدا ہوئی غلام سجاد کا انتقال ۱۹۶۳ء میں ہوا اس کے بعد مرحوم کی بیوی بچے کے
بارے میں کسی کو کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ میر عماد الحسن کی بیٹی جعفری بیگم عرف جھنّن کی شادی
بُٹّی سادات ضلع فتح پور میں ہوئی ان کے شوہر کا نام بھی عماد الحسن تھا۔ بی بی جعفری
کے دو بیٹے سید حسن امام اور سید ابن رضا بفضلہ موجود ہیں۔ میر عماد الحسن نے کچھ زمین
سلیمہ بی بی عرف جعفری بیگم دختر غلام رضا سے خرید کر اس پر ایک چھوٹا سا مکان بنوا لیا
جو امیر الحسن کے مکان سے ملحق تھا اس مکان کے انہدام کے بعد سید علی امام بن سید غلام
امام نے پختہ مکان تعمیر کرا لیا ہے۔

میر عماد الحسن بڑے خوش مزاج ہنس مکھ اور بذلہ سنج تھے مگر ساتھ ہی انتہائی
صاف گو بھی تھے۔ مئی ۱۹۴۲ء میں بعارضہ استسقاء انتقال ہوا۔

سید غلام امام بن سید عماد الحسن

سید غلام امام ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے عرفیت ان کی بالو تھی۔ ان کی والدہ کا نام بی بی علیم النساء تھا جو میر میاں محمد کی بیٹی تھیں۔ جائس میں مڈل اسکول تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد پرتاپ گڑھ میں محکمہ پولیس میں ملازم ہوئے۔ ملازمت کا زیادہ حصہ پرتاپ گڑھ ضلع کے مختلف تھانوں میں گزرا۔ ۱۹۳۸ء میں الہ آباد تبادلہ ہوگیا اور آخر ملازمت تک الہ آباد میں ہی رہے۔ الہ آباد شہر کے مختلف تھانوں میں مٹھی گنج، بہرانا اور دیہات میں پھول پور اور جھیم سرپرا میں تعناتی رہی۔ آخر ملازمت میں سب انسپکٹری کے عہدہ پر ترقی ہوئی اور ۱۹۵۹ء میں ملازمت سے سبکدوشی حاصل کرلی۔ ۱۹۲۸ء میں سید رشید احمد عرف رستو کی بیٹی ناظری بیگم سے شادی ہوئی۔ ناظری ۱۹۳۸ء میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑ کر انتقال کر گئیں۔ ۱۹۴۰ء میں انھوں نے دوسرا عقد نونہرہ ضلع غازی پور میں کیا بیوی کا نام بی بی نثار بنی تھا یہ بی بی بھی صرف بیس برس کی رفاقت کے بعد ۱۹۶۰ء میں انتقال کر گئیں صرف ایک بیٹی اس بیوی سے باحیات ہوئی اس کا نام پروین ہے اور یہ بلگرام ضلع ہردوئی میں بیاہ کر چلی گئی۔ سید غلام امام نے دوران ملازمت مرثیہ خوانی بھی سیکھی اور ملازمت سے علیٰحدگی کے بعد اپنے وطن میں برابر مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ اپنی دوسری زوجہ کے انتقال اور بیٹی پروین کی شادی کے بعد گھر میں تنہا رہ گئے اس لئے کھانا بھی پکانا پڑتا تھا لیکن یہ کام وہ اتنی خوش اسلوبی اور دلجمعی کے ساتھ کرتے تھے کہ دیکھنے والے یہی سمجھتے تھے کہ اس کام میں اُنھیں بڑی تسلی ملتی ہے۔ ان کی بڑی بیٹی مسعودہ عرف بندن اپنے خالہ زاد بھائی سید غلام مصطفےٰ عرف آغا بن سید امداد حسین کے ساتھ جون ۱۹۴۷ء میں منسوب ہو چکی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان چلی گئیں۔ اور بحمداللہ باحیات ہیں۔ چھوٹی بیٹی عالیہ آٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گئی۔ صرف ایک بیٹا سید علی امام بطور نشانی چھوڑ گئے جو ماشاءاللہ زیور علم و حلم سے آراستہ اور صاحب اولاد ہے یہ امر بھی باعث تشکر ہے کہ علی امام اپنے دادا میر محمد حسن کی نسل میں ایک واحد فرد بحمداللہ باقی بچے ہے جس کی ذات سے میر محمد حسن کا نسبی اور نسلی سلسلہ ہندوستان میں برقرار ہے۔ علی امام بھی ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں اپنے آبائی مکان کی زمین پر انھوں نے پختہ عالی شان مکان تعمیر کرایا ہے۔

سید مشتاق حسین بن سید الطاف حسین

سید مشتاق حسین کی پیدائش ۱۷ رشوال ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۲۳ مئی ۱۸۹۴ء یوم
چہارشنبہ کو ہوئی یہ میر الطاف حسین کے بڑے بیٹے تھے اور اپنی ماں کے بڑے چہیتے تھے ذہن افتاد ایسی
تھی کہ پڑھائی کی طرف زیادہ توجہ نہ دی کھیل کود کو ورزش وغیرہ میں زیادہ دلچسپی تھی۔ ملازمت
کہیں نہ کی موٹر ڈرائیوری سیکھ لی تھی جو آگے اُن کی آزوقہ کا ذریعہ بنی۔ رائے بریلی میں شری کالکا
سنگھ کی موٹر لاری چلاتے تھے جو رائے بریلی سے سلطانپور چلتی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانے
میں محکمہ پی ڈبلو ڈی میں موٹر ڈرائیور کی پوسٹ پر ملازم ہوئے اس سے پہلے رائے بریلی میں
سید کلب عباس ایڈوکیٹ کی فورڈ موٹر کار چلاتے تھے مگر کسی ایک جگہ جم کر نہ رہ سکے۔ ۱۹۴۲ء میں
جب انکے والد منشی الطاف حسین کا انتقال ہوگیا اور جنگ عظیم کے اثرات نے اقتصادی دشواریاں
پیدا کیں مہنگائی عروج پر پہونچ گئی تو مشتاق حسین اپنی بیوی کو لیکر لکھنؤ چلے گئے وہاں محلہ
مولوی گنج میں مقبول حسین ظریف لکھنوی کے مکان میں رہنے لگے۔ ظریف لکھنوی مشتاق حسین
کی اہلیہ ہما بیگم کے رشتہ میں چچا ہوتے تھے۔ لکھنؤ میں انہوں نے بھیروں والکن اسٹور کے مالک
کی موٹر کار چلانے کا کام شروع کیا۔ اور یہ کام وہ سیٹھ کی زندگی کے بعد بھی کرتے رہے مولوی گنج
کے بعد وہ محلہ جھوائی ٹولہ میں حکیم علی نقی عرف حکیم لسوڑھے والے کے مکان میں رہنے لگے حکیم
صاحب بھی ان کی اہلیہ کے چچا تھے۔ اسی مکان میں رہتے ہوئے انھوں نے اکتوبر ۱۹۷۶ء
میں انتقال کیا۔ اور سرزمین لکھنؤ کے پیوند ہوئے۔ تقریباً ساری زندگی بڑی عسرت اور
معاشی کش مکش میں کاٹ دی مگر اپنے بھائی بندوں سے مدد کی خواہش کبھی نہ کی بڑے غنی
الطبع اور آن بان کے آدمی تھے خاندانی جذبہ حد سے زیادہ تھا۔ پہلی شادی نصیرآباد میں ہوئی
اور دوسری شادی بنارس میں لیکن دونوں میں سے کسی سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اپنی اہلیہ
ہما بیگم کے مرحوم بھائی کی بیٹی محمدی کو بیٹی بنایا تھا۔ خود مشتاق حسین کو ان کی بچی اچھن بی بی
بیوہ اشفاق حسین نے گود لیکر اپنا بیٹا بنایا تھا مگر افسوس کہ وہ لاولد فوت ہوئے۔ ان کی
منہ بولی بیٹی محمدی بھی جون ۱۹۹۸ء میں لکھنؤ میں انتقال کر گئی۔

سید امداد حسین بن الطاف حسین

منشی سید الطاف حسین کے بیٹے سید امداد حسین ۱۸۹۷ عیسوی میں پیدا ہوئے ان کی والدہ
کا نام بی بی سکینہ باندی تھا۔ امداد حسین بڑے ذہین اور پڑھائی لکھائی میں بہت تیز تھے ہائی اسکول
تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ سالٹ (نمک) میں ملازم ہوگئے اور سانبھر لیک (راجستھان) میں
پوسٹنگ ہوئی۔ کافی عرصہ تک سانبھر میں رہے جنگ عظیم ۱۹۳۹ء چھڑنے کے بعد گورنمنٹ آف
انڈیا نے سنٹرل اکسائز کا نیا محکمہ بنایا تو یہ سنٹرل اکسائز میں چلے گئے اور ۱۹۴۰ء میں الہ آباد
آگئے۔ یہاں وہ نینی کے سنکرل میں بہ حیثیت انسپکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں مظفر پور بہار اور
بہار کے دوسرے اضلاع موتی ہاری دربھنگہ وغیرہ میں تعینات ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں سپرنٹنڈنٹ
کے عہدے پر ترقی پاکر علی گڑھ آگئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک اور قیام پاکستان کے بعد انھوں نے
پاکستان جانا پسند کیا اور مع اہل وعیال مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) چلے گئے وہاں
اسسٹنٹ کلکٹر کے عہدے سے رٹائر ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں جب مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا
تو اس سے پہلے ہی امداد حسین مع اہل وعیال پاکستان (لاہور) منتقل ہوگئے۔ ان کی شادی
۱۹۲۴ء میں ذاکری بیگم دختر رشید احمد عرف رشو مرحوم کے ساتھ ہوئی تھی۔ رشید احمد منشی الطاف حسین
کی بہن امۃ الحسنین کے بیٹے تھے۔ امداد حسین کے بڑے بیٹے غلام مصطفےٰ عرف آغا پاکستان میں
کسٹم محکمہ میں انسپکٹر تھے۔ ان کی شادی غلام امام (بن عماد الحسن) کی بیٹی نبدن کے ساتھ ہوئی
تھی۔ آغا کا انتقال بہت جلد ہوگیا۔ ایک لڑکا جاوید اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔
دوسرے بیٹے غلام مرتضیٰ عرف خورشید نے پاکستان میں شادی کی چار لڑکیاں اور ایک بیٹا
سید کمیل مرتضیٰ ان کی یادگار ہیں۔ ان کا کنبہ امریکہ منتقل ہوگیا۔ خورشید کا انتقال ۱۹۹۱ء میں ہوا۔
دو بیٹے غلام مجتبیٰ اور غلام ارتضیٰ اور چار بیٹیاں امداد حسین کی یادگار ہیں۔ بڑی بیٹی طاہرہ کی
شادی سید حسین بن ساجد حسین کے ساتھ ہوئی سید حسین بھی قیام پاکستان کے بعد پاکستان
چلے گئے۔ اور وہاں محکمہ سنٹرل اکسائز کے اسسٹنٹ کلکٹر کے عہدے سے رٹائر ہوئے۔ اور
بحمد اللہ لاہور میں موجود ہیں۔ طاہرہ کا انتقال ہوچکا ہے۔ دوسری بیٹی سیدہ ڈاکٹر ہے
اور لاہور میں بہت بڑا نرسنگ ہوم "منصب کلینک" اس کا ہے۔ عاتکہ اور شاہدہ اور
مجتبیٰ پاکستان میں ہیں چھوٹے بیٹے غلام ارتضیٰ کا حال ہی میں انتقال ہوگیا۔

سید غلام باقر بن منشی الطاف حسین

سید غلام باقر ۳ رجادی الاول ۱۳۱۷ ہجری مطابق اکتوبر ۱۹۰۰ عیسوی میں پیدا ہوے مڈل تک مقامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سلطان پور دبرتاپ گڈھ میں انگریزی تعلیم کے لئے ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ہائی اسکول میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد محکمۂ دیوانی (سول کورٹ) میں ملازم ہوئے۔ ملازمت کے لئے تھوڑی دشواری اٹھانی پڑی کیونکہ عمر زیادہ ہو رہی تھی۔ سید اصغر حسن (جج) کی مہربانی سے یہ مشکل حل ہوگئی اور ملازمت مل گئی۔ عدالت دیوانی ہردوئی میں اہلمد کی جگہ پر ان کی تقرری ہوگئی۔ بڑی آن بان کے ساتھ ملازمت کی کبھی کسی افسر سے دب کر نہیں رہے سب انکی عزّت کرتے تھے کیونکہ اپنے کار منصبی میں بڑے چست و چاق چوبند تھے۔ ۳۵ سال ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۶۲ء میں ہردوئی سے رٹائر ہوئے۔ اور وطن کو اپنا مستقر بنایا مگر بچوں کی تعلیم کے لئے رائے بریلی میں سکونت اختیار کی۔ رائے بریلی ہی میں دسمبر ۱۹۷۳ء کو حرکت قلب بند ہوجانے کے سبب انتقال کیا میت جائس لائی گئی جہاں اپنے آبائی مقبرہ میں سپرد خاک ہوئے۔

غلام باقر کی شادی چچازاد بہن طاہر النساء عرف بی بی ملّن کے ساتھ ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ طاہر النساء میر ساجد حسین کی زوجہ ثانیہ مجیب النساء (مصطفیٰ آباد والی) کی بیٹی تھیں انتہائی نیک اور صاف قلب کی مالک بڑی محبتی اور خلوص کی بی بی تھیں اپنے شوہر کی رفاقت اور مددگاری میں حد درجہ مصروف رہتیں ساتھ ہی اپنے بچوں سے انھیں بے حد پیار تھا کسی کو ذرا سی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ سید غلام باقر بھی اپنی رفیقہ حیات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایسے میاں بیوی کا پرخلوص جوڑا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

سید غلام باقر بڑے حاضر جواب باتونی اور معاملہ فہم انسان تھے کسی بھی محفل میں بات چیت کے دوران کوئی بڑے سے بڑا تیز زبان ان پر حاوی ہو جائے یہ ناممکن تھا۔ خاندانی جذبہ بہت زیادہ تھا اپنے بچوں کی فلاح و بہبود اور بہتر مستقبل کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بڑا بیٹا ابو جعفر سترہ سال کی جوان عمری میں داغ دے گیا۔ بیٹی عصمت سکینہ کی شادی سلطان احمد بن حسن احمد کے ساتھ کی۔ دوسرا بیٹا ابو طاہر بلاک آفس میں ملازم ہوا۔ اس کی شادی غلام ثامن مرحوم کی بیٹی نغینہ کے ساتھ ہوئی۔ سب سے چھوٹا بیٹا منسوب علی رضوی جو پڑھنے میں بڑا ذہین و تیز تھا اس نے انجینرنگ کالج الہ آباد سے بی۔ اے کیا اور روڈ ویز کے محکمہ میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ میر اولاد حسین کی نسل میں یہی لڑکا ہندوستان میں ان کی شان و شوکت کو سرفرازی دینے والا اور نام اونچا کرنے والا ہے۔

سیّد غلام ثامن بن منشی الطاف حسین

خاندان کی بڑی ہر دل عزیز شخصیت بہترین اوصاف اور پسندیدہ خوبیوں والی فرد
جن کی خوش اخلاقی میل محبت اور انکساری کے سب ہی معترف تھے جس نے اپنی زندگی کو دوسروں
کی مدد اور کام آنے کے لئے وقف کر دیا جس نے کبھی کسی چھوٹے سے بھی لڑائی جھگڑا کرنا تو درکنار
بلند آواز میں بات بھی نہ کی ایک بڑی باغ و بہار والی ہستی جسکی زندگی بہار کی رنگینیوں سے خالی
مگر جس کی محفل ایک رنگا رنگ اور خوشبوؤں سے بھری محفل تھی۔ سید غلام ثامن منشی الطاف حسین
کے چھوٹے بیٹے نوروز کے دن ۲۱ مارچ ۱۹۱۲ عیسوی کو پیدا ہوئے سب سے چھوٹی اولاد ہونے
کی وجہ سے ان کی والدہ انہیں بہت چاہتی تھیں۔ تعلیم جائس ہی تک محدود رہی باپ کی زندگی
اور بھائیوں کی موجودگی نے کچھ کرنے بھی نہ دیا۔ ۱۹۳۸ء میں چچازاد بہن محمدی بیگم بنت ساجد حسین
سے شادی ہو گئی۔ دوکان داری ختم کر کے دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں سوک گارڈ کے محکمہ
میں چلے گئے۔ پھر اسے چھوڑ کر تمباکو کی دوکان رکھ لی ۱۹۵۸ء میں بلاک آفس جائس میں ملازمت
کر لی گرانی بڑھتی گئی پانچ لڑکیوں کی کفالت کے لئے اپنی گرتی ہوئی تندرستی کی پرواہ نہ کرتے
ہوئے ملازمت کرتے رہے۔ دونوں پھیپھڑے بیکار ہو گئے تو نوکری چھوڑ کر بیٹھ گئے اور
محض دو ماہ کی علالت کے بعد جون ۱۹۷۱ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بڑی بیٹی شمیمہ
خاتون سید اقبال احمد عرف چھبن کے ساتھ ۱۹۵۶ء میں منسوب ہوئی۔ دوسری بیٹی عطیہ محمدی
سید مہدی علی بن میر نقی علی کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں بیاہی گئی۔ تیسری بیٹی انیسہ شفیق حسین
(حسن پوری) کے ساتھ، چوتھی نفیسہ ابوطاہر بن غلام باقر کے ساتھ اور سب سے چھوٹی شفیقہ
سید پور ضلع سلطانپور میں سید آل عبا کے صاحب زادے سید نذر امام عرف منّے کے ساتھ بیاہی گئی
محمدی بیگم مثلِ اپنے شوہر کے پورے خاندان کے ہر کام میں معین و مددگار رہتی تھیں اور بغیر
ان کی صلاح و مشورہ کے کوئی آدمی کچھ نہیں کرتا تھا محمدی بیگم ۱۹۸۴ء میں اپنے خالق حقیقی
سے جا ملیں۔

سید غلام ثامن بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ خدا نے انھیں اوصاف حمیدہ اور خصائل
پسندیدہ سے مزیّن اور مشرّف کیا تھا۔ بہترین سوز خوان تھے۔ آواز میں بڑی کشش اور درد
تھا محرم کی اونچی اونچی مجلسوں میں سوز خوانی کرتے تھے۔ انجمن ہاشمی کے بانیوں میں تھے۔
اس کے صاحب بیاض بھی تھے۔ سینہ کے کمزور تھے لیکن سوز اور نوحے بڑی پاٹ دار آواز
میں پڑھتے تھے۔ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور صغیر تخلص کرتے تھے۔ ان کی جدائی پر
جائس کی ہر فرد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے سب رنجیدہ و ملول ہو گئے۔

سید آل احمد بن سید حسین احمد

برادرِ معظم جن کے اوصاف اور خوبیوں کے بیان کرنے کی طاقت نہیں میرے بڑے بھائی جنھوں نے مجھے اپنا چھوٹا بھائی کبھی نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ دوست سمجھا اور ہمجولیوں کی طرح برتاؤ کیا ۴ رمضان المبارک ۱۳۴۱ ہجری مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۲۳ عیسوی میں پیدائش ہوئی۔ مجھ سے عمر میں صرف تین سال بڑے تھے اس لئے ہم ساتھ ہی کھیلے اپنے کھیلوں میں وہ ہمیشہ مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ بڑے نیک نفس، انتہائی سیدھے مرنجاں مرنج قسم سے انسان تھے۔ والد حسین احمد ان کو اپنے چھوٹے بیٹے یعنی راقم سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس کی وجہ ان کی حد درجہ سیدھائی اور بھولا پن تھی۔ جولائی ۱۹۳۸ء میں جائس سے مڈل اسکول کا امتحان پاس کرکے والد کے پاس الٰہ آباد چلے گئے وہاں جمنا مشن اسکول میں ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ جنگ کا زمانہ تھا اسپتال میں میل نرسنگ کی نئی اسکیم نکلی تو اس میں ملازم ہوگئے اور کانپور کے "ارسلا ہاوس مین" اسپتال میں پوسٹنگ ہوگئی۔ بڑی کم عمری (۱۹ سال) میں ملازمت کی۔ ٹریننگ کے بعد گورکھپور، بستی، لکھنؤ، اٹاوہ، نینی تال، الٰہ آباد اور فیض آباد میں رہے۔ وارڈ ماسٹر اور ٹیوٹر ماسٹر (میٹرن) تک ترقی کی اور رائے بریلی کے ضلع اسپتال سے ۱۹۸۴ء میں رٹائر ہوئے۔ پہلی شادی چچا سید محمد احمد کی بیٹی فصیح النساء عرف امیرن کے ساتھ جون ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔ اگست ۱۹۵۵ء میں ایک بیٹی آمنہ پیدا ہوئی جو نو مہینے بعد فوت ہوگئی۔ مارچ ۱۹۶۰ء میں بچے کی ولادت کے موقع پر امیرن کا انتقال ہوگیا۔ دوسری شادی اکتوبر ۱۹۶۱ء میں سید محمد وصی نقوی (نصیر آباد) کی بیٹی شمیم فاطمہ کے ساتھ کی جس سے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ بڑے بیٹے کی شادی اپنی حیات میں نومبر ۱۹۸۹ء میں مانکپور میں سید حسن باقر کی بیٹی کے ساتھ کیا۔ بیٹی طلعت زہرا کی شادی ۱۹۹۶ء میں اقبال احمد عرف چھبن کے بیٹے سید لئیق احمد سے ہوئی۔

انجمن ہاشمی جائس کے سکریٹری تقریباً دس سال رہے ان کی نظامت کے دوران ۱۹۷۲ء میں انجمن کی سلور جوبلی منائی گئی۔ اور ۱۵ شعبان کا میلاد بہت دھوم دھام سے ہوا۔ امام بارہ بڑا دروازہ سے بڑی رغبت تھی ایام عزا میں عزا خانے کی رونق و سجاوٹ میں ہمہ تن مصروف رہتے عزا کی ترقی میں بڑی دلچسپی تھی۔ ۳ محرم کے جلوس میں انھیں کی کوششوں سے جلوس میں ضریح و علم کا اضافہ ہوا۔ ۷ محرم کو جلوس مہندی میں اپنے عزا خانہ سے گہوارۂ علی اصغرؑ نکال کر جلوس مہندی میں شامل کیا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء کو فالج کا اثر ہوا۔ ۶ جنوری کو الٰہ آباد میڈیکل کالج میں جاں بحق ہوئے اور جائس میں اپنے آبائی قبرستان میں ۷ جنوری ۱۹۹۰ء کو سپرد خاک ہوئے۔

سید اقبال احمد بن سید حسن احمد

سید حسن احمد کے بیٹے اقبال احمد عرف چھبن ۸، ذیلقعدہ ۱۳۴۸ ہجری مطابق ۱۸ اپریل
۱۹۳۰ء جمعہ کے روز پیدا ہوئے۔ منشی الطاف حسین نے نام عنایت علی رکھا تھا مگر آگے چل کر انھوں
نے نام بدل کر اقبال احمد رکھ لیا۔ اپنے چچا حسین احمد کی تربیت میں بہمہ طور انھیں کی خوبیوں کو اپنایا
انھیں سے نسبت بھی زیادہ تھی۔ صفائے قلب اور راست گوئی میں ان کا جواب نہ تھا جھوٹ
سے نفرت تھی سچی بات بے لاگ کہتے تھے اپنی بیماری کے باعث بدن کے کمزور تھے مگر ہمت
میں کمی نہ تھی سب کام کاج میں لگ کر تھک جاتے مگر یہ بلا کھائے پیئے سارا کام تکمیل کو پہونچا کر
ہی آرام کرتے ان کے بغیر شرکت کے گھر کا کوئی کام صحیح طور پر انجام نہ ہو پاتا جائس میں تعلیم
مکمل کرکے اپنے چچا حسین احمد کے پاس الہ آباد بغرض تعلیم چلے گئے اور انھیں کی سرپرستی میں
جمنا میشن اسکول میں انٹرمیڈیٹ تک پڑھا۔ راقم کے ساتھ قیام تھا مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھتے
تھے اور بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں جب چچا حسین احمد الہ آباد کو خیرباد کہہ کر جائس چلے
گئے تو یہ راقم کے ساتھ تین سال رہے اس عرصہ میں ایک رسالہ "مقابلہ" انھوں نے اجرا کیا جو دو
تین سال تک بڑی کامیابی اور باپندی سے شائع ہوتا رہا اقبال احمد اس کے مدیر تھے۔
۱۹۵۵ء میں محکمہ بلاک ڈیولپمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ الہ آباد ضلع کے مختلف بلاکوں میں کام
کیا۔ ہنومان گنج، پھول پور، کرچھنا، منو آئمہ میں زیادہ وقت گذارا آخر کے چار پانچ سال
الہ آباد ہیڈ کوارٹر پر رہے۔ فروری ۱۹۵۶ء میں شادی ہو گئی۔ والدین نے سیٹھ غلام ثامن کی بڑی
بیٹی شمیمہ خاتون کو ان کی رفاقت کے لئے پسند کیا۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی ان کی یادگار ہیں۔
بیٹی عترت زہرا کی شادی اپنی زندگی میں منسوب علی بن غلام باقر کے ساتھ ۱۹۸۴ء میں کیا۔
بڑے بیٹے نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ اس کی شادی طلعت زہرا بنت آل احمد کے ساتھ
۱۹۹۶ء میں ہوئی۔ اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں دل کے مریض ہو گئے تھے ان کے
والد حسن احمد نے بھی قلبی مرض میں وفات پائی تھی۔ جولائی ۱۹۹۲ء میں محرم کرنے اپنے
وطن جائس گئے تھے وہیں ۹ر محرم کو دل کا دورہ پڑا ایک دن اور ایک رات بے چین
رہے مقامی معالج تشخیص نہ کر پائے ۱۰ر محرم روز عاشورہ صبح آٹھ بجے تعزیوں کے
نکلنے کے وقت دیکھتے دیکھتے اپنی ضعیف والدہ کی گود میں دم توڑ دیا اسی روز شب میں
اپنے آبائی قبرستان نگر ہیا میں سپرد خاک ہوئے۔ ایسا شریف النفس منکسر مزاج راست
گو صدق وصفا والا انسان بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی
ملازمت کی جگہ سرکار نے چھوٹے بیٹے سید وکیل احمد کو دی۔

سید انوار احمد بن حسن احمد

سید انوار احمد عرف بچھن ۲۵ رشوال ۱۳۵۰ ہجری بمطابق ۴ر مارچ ۱۹۳۲ عیسوی بروز جمعہ دن میں دس بجے بمقام نصیر آباد اپنے ننھیال میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام میر الطاف حسین، نے اپنے مورث اعلیٰ میر روشن علی حیدری کے نام پر روشن علی رکھا تھا مگر بعد میں انھوں نے اپنا نام بدل کر انوار احمد رکھ لیا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اس تبدیلی نام سے کوئی فرق نہیں پڑا جو نام آوری روشن علی حیدری نے خاندان اور وطن میں حاصل کی وہی بلکہ اس سے زیادہ شہرت عزت اور نام آوری انھوں نے حاصل کی اپنے انوار اور اپنی ذاتی خوبیوں کی روشنی سے ایسے ہر دل عزیز ہو گئے تھے کہ اتنی مقبولیت اور پسندیدگی شاید ہی کسی کو ملی ہو۔ شکل صورت ناک نقشہ اور رنگ و روپ میں اتنے حسین و جمیل اور مقبول صورت تھے کہ اپنے نام کی صحیح اور حقیقی تفسیر بن گئے۔ اللہ نے ان میں حد درجہ کشش دی تھی اور زبان میں اتنی قبولیت تھی کہ غیر اور انجان آدمی بھی ان کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ بڑے حکام رس اور افسر نواز تھے بڑے سے بڑے افسر سے منٹوں میں بڑی گاڑھی دوستی کر لیتے تھے۔ اور جو کام چاہتے اس سے لے لیتے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی میں ملازم ہوئے۔ اپنے ذاتی ہنر اور طلاقت زبانی سے، وائس چانسلر اودھ بہار لال کو اپنی مٹھی میں لے لیا یہاں تک کہ انھیں دو بار محرم کے ایام میں جانسن لائے امام باڑہ بڑا دروازہ پر منت منوائی نذر چڑھوایا گردی دکھایا اور حضرت عباسؑ کی حاضری کرا کے دونوں محلوں کے مومنوں کو کھلوایا۔ اپنے بچپن ہی سے وہ متیر طرار، بڑے نڈر، بہادر اور غیض و غضب والے تھے محلہ میں کیا بلکہ پورے قصبہ میں سب پر حاوی رہتے تھے۔ اپنے چچا زاد بھائی سید آل احمد عرف میرن کے ساتھ بغرض تعلیم لکھنؤ، گورکھپور اور بستی میں رہے۔ بستی کے خیر انٹر کالج سے انٹر کامرس کے مضامین کے ساتھ پاس کر کے اپنے دوسرے چچا زاد بھائی اور بہنوں کے پاس الٰہ آباد آ گئے۔ الٰہ آباد میں یونیورسٹی کی ملازمت بہت جلد حاصل کر لی۔ ڈین فیکلٹی آف آرٹس میں ملازمت کا زیادہ حصّہ کام کیا آخر کے چند برسوں میں ترقی کر کے اسسٹنٹ رجسٹرار ہو گئے تھے۔ اپنے والد اور بڑے بھائی کی طرح خود بھی دل کے مریض ہو گئے برابر دوا کھاتے اور احتیاط کرتے تھے ۱۹ر نومبر ۱۹۹۶ء کو وقت آخر آ گیا۔ اپنے بیٹے کی شادی کے نوید تقسیم کرنے وطن گئے تھے اچھے بھلے لوٹ کر آئے اور پریاگ اسٹیشن سے یونیورسٹی پہونچتے ہی حرکت قلب بند ہو گیا آن کی آن میں ختم ہو گئے۔

انور احمد کی شادی دسمبر ۱۹۶۰ء میں سید آل عبا صاحب ایڈوکیٹ کی بیٹی ثریا کے ساتھ ہوئی تین بیٹے اور ایک بیٹی اپنی یادگار چھوڑیں۔ اپنی بے پناہ محبت اور جذبۂ فدا کاری کی بدولت پورے خاندان کے پر تا حیات حکومت کی۔

سید اکبر حسین بن سید میاں محمد

نصیر آباد کے میر فدا حسین نمبردار میر ابوالحسن کے حقیقی پھوپھا اور سگے ماموں تھے۔ اپنی بیٹی بی بی ببتوا کی شادی انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی سید رحمت علی عرف میاں محمد، کے ساتھ کی جو میر فدا حسین کے بڑے بیٹے تھے یہ شادی اپنے قریبی عزیزوں میں ہوئی تھی تاہم بی بی ببتوا کو اپنے والد میر ابوالحسن سے بڑی محبت تھی یہی وجہ تھی کہ ان معظمہ نے اپنے باپ کی ڈیوڑھی سے جدائی منظور نہیں کی اور تا حیات جائس میں اپنے باپ کے گھر میں رہیں ان کی دو بیٹیاں تھیں علیم النساء اور سید النساء لڑکا صرف ایک ہی تھا جس کا نام سید اکبر حسین تھا۔ اکبر حسین ۱۲۷۹ ہجری مطابق ۱۸۶۷ عیسوی میں پیدا ہوئے اور اپنی والدہ کے ساتھ جائس میں رہے۔ سلطان پور میں دیوانی عدالت میں ملازم ہوئے۔ بڑے سنجیدہ مزاج اور نیک نفس انسان تھے دسمبر ۱۹۳۳ء میں جائس میں انتقال کیا اور اپنے نانا میر ابوالحسن کے گھر و جائداد کے تنہا مالک ہوئے۔

سید اکبر حسین کی پہلی شادی بی بی ببتوہ کی حقیقی خالہ زاد بہن بی بی نگین دختر میر اولاد حسین کے ساتھ ہوئی تھی۔ بی بی ببتوہ کی ماں اور منشی الطاف حسین کی ماں دونوں میر مجتبیٰ حسین نصیر آباد کی دختر تھیں۔ بی بی نگین سے ایک لڑکا شبیہ الحسن ہوا۔ یہ شادی ۱۳۰۶ ہجری مطابق ۱۸۸۹ عیسوی میں ہوئی شادی کے چار سال بعد شبیہ الحسن کی ولادت ہوئی پہلی زوجہ بی بی نگین کے انتقال کے بعد اکبر حسین نے دوسرا عقد محلہ سید انہ کے میر فضل حسین عرف پھجا میاں کی دختر صفدری بیگم کے ساتھ کیا۔ صفدری بیگم کی والدہ بی بی فقیہہ میر فدا حسین کی بیٹی تھیں اور میاں محمد کی مختلف البطن بہن تھیں۔ صفدری بیگم بڑی پر خلوص اور خوبیوں والی معظمہ تھیں انھیں اپنے خاندان کا بڑا جذبہ تھا اپنے شوہر کی رفاقت کے ساتھ ساتھ اپنی ساس کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی بہت نیک اور سیدھی تھیں۔ ۱۹۱۳ء میں بڑا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام رعایت حسین تھا۔ ایک بیٹی کوثری ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئی اور دوسرا بیٹا قمر حسین ۱۹۲۵ء میں قمر حسین پیدائش گونگے تھے مگر بڑے ذہین اور سمجھ دار تقریباً ہر کھیل کھیلنا جانتے تھے۔ فروری ۱۹۸۰ میں انتقال ہو گیا۔ کوثری کی شادی ابوالحسن بن سید اصغر حسین نصیر آباد کے ساتھ نومبر ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ کوثری کا انتقال جنوری ۱۹۹۰ء میں ہوا۔ اکبر حسین کی اہلیہ صفدری کا انتقال ۱۹۸۲ عیسوی میں ہوا

—

سید شبیہ الحسن بن سید اکبر حسین

سید شبیہ الحسن میر اکبر حسین کے بڑے بیٹے زوجہ اولیٰ سے تھے ان کی والدہ کا نام بی بی بگن تھا۔ شبیہ الحسن کی پیدائش ۲۲ صفر ۱۳۱۰ ہجری مطابق ۱۸۹۳ عیسوی میں ہوئی۔ انیس سال کی عمر میں ان کی شادی برجیس اسمانیہ بیگم عرف واصفہ بیگم کے ساتھ جون ۱۹۱۲ عیسوی میں ہوئی برجیس بیگم سید امیر احمد کی دختر تھیں اور ڈپٹی غلام حیدر کی نواسی تھیں ان کی والدہ کا نام بلقیس زمانیہ بیگم تھا۔ برجیس بیگم سے ایک بیٹی نفیس فاطمہ ہوئی ایک بیٹا ضمیر احمد اور ایک بیٹی جرجیس بیگم ہوئی تھی لیکن ان کا انتقال ہو گیا۔ نفیس فاطمہ کی شادی ۱۹۳۵ عیسوی میں بلگرام ضلع ہردوئی کے سید شبیر حسین کے ساتھ ہوئی تھی۔ برجیس بیگم کے انتقال کے بعد شبیہ الحسن نے دوسرا عقد بٹی ساداتِ ضلع فتح پور میں میر ناظم حسین رئیس کی بیٹی بی بی نیر النساء کے ساتھ ۱۹۲۳ء میں کیا یہ معظمہ شبیہ الحسن کی ممانی (زوجہ میر ساجد حسین) کی چھوٹی بہن تھیں۔ ان بی بی سے شبیہ الحسن کے دو بیٹے وجیہ الحسن اور صغیر احمد ہوئے۔ ایک بیٹی مشتری فاطمہ ۱۹۴۲ء میں بعارضہ دق فوت ہوئی۔ شبیہ الحسن کی دوسری بیوی بھی جلد ہی انتقال کر گئیں۔ ۱۹۴۲ عیسوی میں لو لگ جانے سے آناً فاناً بغیر کسی بیماری کے جاتی رہیں۔

سید شبیہ الحسن بہت اچھے اور بڑے قابل منشی تھے وہ سید کلب عباس صاحب ایڈوکیٹ کے منشی تھے۔ رائے بریلی میں کلب عباس صاحب کی طوطی بولتی تھی ان سے بہتر فوجداری کا کوئی دوسرا وکیل رائے بریلی میں نہیں تھا اس وجہ سے منشی شبیہ الحسن کی آمدنی بھی بہت تھی بیوی کے انتقال کے بعد دوستوں کی بہتات نے انھیں تیسرے عقد پر مجبور کیا چنانچہ انھوں نے ۱۹۴۳ء میں تیسرا عقد جائس میں ارشاد حسین مرحوم کی بیٹی بی بی ثامنی کے ساتھ کیا یہ عقد ان کے لیئے راس نہیں آیا اولاد تو ضرور ہوئی لیکن صرف لڑکیاں ساتھ ہی یہ بھی مصیبت آئی کہ سید کلب عباس صاحب ستمبر ۱۹۴۶ء میں انکم ٹیکس اپیلیٹ ٹریبونل کے جوڈیشیل ممبر بنا دیئے گئے اور وہ رائے بریلی چھوڑ کر الٰہ آباد چلے گئے۔ منشی شبیہ الحسن کے لیے اب رائے بریلی میں کوئی کام نہ رہ گیا۔ اپنے بیٹے وجیہ الحسن کی شادی انھوں نے سید محمد محسن کی بیٹی شکیلہ کے ساتھ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں کی تھی۔ محمد محسن وجیہ الحسن کو لکھنؤ کے پوٹ انجنیئرنگ کالج میں داخلہ کرا دیا تھا اور وہ وہیں رہ کر پڑھ رہے تھے کہ چار ہی ماہ بعد خود محمد محسن کا انتقال ہو گیا اس پریشانی کو بھی منشی شبیہ الحسن کی خوش تدبیری نے حل کیا۔ اور وہ اپنے بیٹے کو انکم ٹیکس ٹریبونل میں ملازمت دلوانے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۸ مارچ ۱۹۵۵ء کو چار بیٹیاں اور ایک بیوہ چھوڑ کر جاں بحق ہوئے۔

سید رعایت حسین بن سید اکبر حسین

بڑے خوبصورت نازک بدن اور گورے چٹے رعایت حسین انتہائی حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۲ر فروری ۱۹۱۷ء میں بڑے دھوم دھام سے ختنہ کی رسم ادا ہوئی ماں باپ کی محبت تو تھی ہی دادی (بی بی ستوہ) کی محبت و شفقت اس پر مستزاد تھی اس لئے کبوتر بازی کا شوق کر لیا۔ باپ سلطان پور میں دیوانی کے مذکوری تھے ابھی انیس سال کے تھے کہ باپ اکبر حسین نے انتقال کیا گھر کی ذمہ داری ان پر آ پڑی۔

سید اکبر حسین کا انتقال ۸ر دسمبر ۱۹۳۳ء میں ہوا تھا مگر اپنے انتقال سے ایک ماہ پہلے ہی انھوں نے رعایت حسین کی شادی ۸ر نومبر ۱۹۳۳ء کو میر سبط حیدر کی بیٹی عذرا بیگم کے ساتھ کر دی تھی اس وجہ سے باپ کے اچانک انتقال کے بعد وہ مالی دشواریوں کے باعث سخت پریشان ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے سلطان پور میں دیوانی محکمہ میں مذکوری کی ملازمت کر لی۔ اور بعد میں پرتاپ گڈھ آ گئے اور وہیں سے ۱۹۶۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ رعایت حسین اپنے والد کی طرح لمبے اور چھریرے بدن کے تھے سب سے بڑی خوبی ان میں یہ تھی کہ اپنے چھوٹوں سے بھی بڑے اخلاق سے خوش ہو کر ملتے اور باتیں کرتے تھے۔ کبھی کسی سے نہ تکرار ہوئی نہ نوک جھونک صدق و صفا والے بڑے سچے آدمی تھے۔ اپنی ملازمت کے دوسرے برس بہن کوثری کی شادی کی۔ ظفر حسین اور محمد میاں دو بیٹے اور شہری و قیصری دو بیٹیاں ہوئیں۔ شہری کی شادی ۱۹۵۸ء میں محمود عالم بن اقبال علی کے ساتھ ہوئی اور دوسری بیٹی قیصری کی شادی رسولپور میں سید مظاہر عباس عرف منّے کے ساتھ ہوئی۔ بڑے بیٹے ظفر حسین کی شادی اپنی پھوپھی بہن کوثری کی بیٹی کنیز فاطمہ کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں کی۔ محمد میاں کی شادی سید غالب علی کی بیٹی کے ساتھ ہوئی اس لڑکی کے انتقال کے بعد محمد میاں نے دوسرا عقد پیرشدے پور میں کیا۔

رعایت حسین اپنی والدہ صفدری بیگم سے بڑی محبت کرتے تھے اور ماں بھی ان کو بے انتہا چاہتی تھیں۔ لیکن ان کی قسمت میں اپنے دونوں جوان بیٹوں کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھنا لکھا تھا رعایت حسین ۱۹۷۸ء میں جاں بحق ہوئے اور ان کے چھوٹے بھائی قمر حسین جو پیدائشی گونگے تھے وہ بھی بوڑھی ماں کی نظروں کے سامنے فروری ۱۹۸۰ء میں چل بسے صفدری بیگم نے ان جانکاہ صدموں کو کس طرح جھیلا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ۱۹۸۲ء میں انھوں نے انتقال کیا۔